قرآن اور
حاملین قرآن
تالیف:
مولانا محمود الرشید حدوٹی
مصنف۔ صحافی۔ دینی سکالر۔ داعی الی اللہ
ناشر
جامعہ رشیدیہ
غوث گارڈن II جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ [الحجر:٩]

بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن) اُتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

قرآن اور حاملین قرآن

تالیف

حضرت مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب حفظہ اللہ

پرنسپل جامعہ رشیدیہ، مناواں، لاہور صدر ادارہ آبِ حیات ٹرسٹ

مدیر اعلیٰ ماہنامہ آب حیات لاہور، سرپرست جمعیت تحفظ اہل السنّت والجماعت لاہور

ایک ایسی کتاب جس میں قرآن حکیم کے فضائل قرآن وسنت اور بزرگان دین کی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں، حافظِ قرآن کی شان، مقام اور مرتبہ احادیث نبوی کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک ایسی کتاب جسے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور پڑھا جانا چاہئے، جس کے مطالعے سے انسان کو قرآن کریم کے ساتھ تعلق مضبوط استوار کرنے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، ایک ایسی کتاب جس میں قرآنی استاذ اور شاگرد کا مقام ومرتبہ بیان کیا گیا اور ساتھ ہی ان کی ذمہ داریوں کا جائزہ بھی لیا گیا ہے، قرآن یاد رکھنے کے فضائل کے ساتھ ساتھ اسے بھلا دینے کا نقصان کس قدر ہے اسے پوری تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اللہ ہم سب کو قرآن کریم پڑھنے، سمجھنے اور اس پر مکمل طور پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

ناشر

ادارہ آبِ حیات ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

جامعہ رشیدیہ، غوث گارڈن نمبر 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ

0321-9458876-0300-9458876

سیدی مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب حفظہ اللہ

فاضل و استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور، پرنسپل جامعہ رشیدیہ لاہور

صدر آب حیات ٹرسٹ (رجسٹرڈ) — مدیر اعلیٰ ماہنامہ آب حیات، لاہور

مدیر اعلیٰ ماہنامہ تحفۂ خواتین لاہور — مدیر اعلیٰ ماہنامہ صدائے جمعیت، لاہور

ضابطہ

نام کتاب	قرآن اور حاملین قرآن
نام مصنف	مولانا محمود الرشید حدوٹی
ناشر	ادارہ آب حیات ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
اشاعت اول	جون ۲۰۱۵ء، رمضان المبارک
پرنٹر	عبداللہ پریس ریتی گن روڈ لاہور
سرورق	شوکت علی، علی گرافک
ایڈجسٹمنٹ	فاروق اعظم
تعداد	1000
قیمت	-/250 روپے
ملنے کے پتے	ادارہ آب حیات ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
	غوث گارڈن نمبر 2، جی ٹی روڈ، مناواں، لاہور
	جامعہ دارالقرآن، مسجد فریدیہ، علیوٹ، مری

فہرست مضامین

اپنی بات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الْحَمْدُ للَّهِ الَّذِي بِيَدِهِ الإيجَادُ وَالإِنْشَاءُ، وَالإِمَاتَةُ وَالإِحْيَاءُ، وَالإِعَادَةُ وَالإِبْدَاءُ، وَالإِنْعَامُ وَالآلاءُ، وَالرُّخْصُ وَالْغَلاءُ، وَالْحَظُّ وَالْعَلاءُ، وَالْعَافِيَةُ وَالْبَلاءُ، وَالدَّاءُ وَالدَّوَاءُ، خَلَقَ آدَمَ وَخُلِقَتْ لأَجْلِهِ الأَشْيَاءُ، فَمَنْ جَرَّاهُ كَانَتِ الأَرْضُ وَالسَّمَاءُ، وَالظُّلُمَاتُ وَالأَضْوَاءُ، وَالصَّبَاحُ وَالْمَسَاءُ، وَالرِّيحُ وَالْمَاءُ، وَعَلَّمَهُ الْعِلْمَ فَانْجَلَتْ عَنْهُ الظَّلْمَاءُ.وَبَثَّ مِنْ نَسْلِهِ الرِّجَالَ وَالنِّسَاءَ، فَمِنْهُمُ الْعَالِمُ الذَّاكِرُ وَمِنْهُمُ الْجَاهِلُ النَّسَّاءُ، وَأَكْثَرُهُمُ الْغَافِلُونَ وَأَقَلُّهُمُ الأَلِبَّاءُ، والصلاۃ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ أَشْرَفِ رَاكِبٍ حَوَتْهُ الْبَيْدَاءُ، وَعَلَى صَاحِبِهِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ مُصَاحِبِهِ إِنْ وَقَعَتِ الشِّدَّةُ أَوِ الرَّخَاءُ، وَعَلَى عُمَرَ الْفَارُوقِ الَّذِي دَوَّخَ الْكُفْرَ فَذَلَّتْ لَهُ الأَعْدَاءُ، وَعَلَى عُثْمَانَ الصَّابِرِ وَقَدِ اشْتَدَّ بِهِ الْبَلاءُ، وَعَلَى عَلِيٍّ الَّذِي حَصَلَ لَهُ دُونَ الْكُلِّ الإِخَاءُ، وَعَلَى عَمِّهِ الْعَبَّاسِ الَّذِي سَأَلَتِ الصَّحَابَةُ بِهِ الْغَيْثَ فَسَالَتِ السَّمَاءُ

الحمد للہ ثم الحمد للہ ،اللہ رب العزت نے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے ایک اور عظیم الشان تحفہ پیش کرنے کی توفیق دی ہے، جس میں قرآن کریم کے حاملین کا ذکر کیا گیا ہے، تلاوت قرآن پر انسان کو اللہ کی طرف سے کیا کیا ملتا ہے ؟اس کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن کریم پڑھانے والے استاذ کی شان، مرتبہ اور مقام کیا ہے ؟اس پر بات کی گئی ہے، قرآن کریم کے فضائل قرآن وسنت سے واضح کیے گئے ہیں، مسلمان اور منافق دونوں ہی تلاوت کرتے ہیں مگر دونوں میں بنیادی فرق نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے، ان مثالوں کی تہہ میں کس طرح کی حکمت عملی پوشیدہ ہے، اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

قرآن کریم پڑھنے والے طالب علم اور پڑھانے والے استاذ کو کن صفات سے مزین اور مرصع ہونا چاہیے اس کا ذکر بھی اکابرین امت کے تجربات کی روشنی میں کیا گیا ہے۔علامہ ابو یحیٰ شرف الدین نووی کی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن اور شرح المہذب، علامہ ابن عبدالبر اندلسی کی کتاب معرکۃ الآراء کتاب جامع بیان العلم وفضلہ ،علامہ زرنوجی کی کتاب تعلیم المتعلم طریق التعلم ،امام غزالی کی احیاء العلوم ، فضائل القرآن (عربی) محمد بن موسیٰ نصر، فضائل

القرآن علامہ ابن کثیر، فضائل القرآن ابو عبید قاسم، صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ) مسند احمد بن حنبل، معجم طبرانی ادنی، اوسط، کبیر، قیام اللیل، صحیح ابن خزیمہ، سنن دار قطنی، مسند الفردوس، مشکوۃ المصابیح، شعب الایمان، الترغیب والترھیب، شرف اصحاب الحدیث، جیسی کتب اس کی ترتیب کے دوران دیکھنے کی سعادت بندہ کو حاصل ہوئی ہے، جس جس کتاب کی عبارت نقل کی گئی ہے اس کا ساتھ ہی ساتھ حوالہ بھی پیش کر دیا گیا ہے، اس سے پڑھنے والے کو اصل مرجع تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے، نیز اس سے علم میں برکت بھی ہوتی ہے۔

جتنا اور جس قدر مواد میں نے پیش کیا ہے یہ اگرچہ مبادی طالب علموں کی علمی پیاس بجھانے کے لیے کافی ہے مگر مطالعہ کے شوقین اور علم کے گہرے سمندر میں غوطہ زن ہونے والے لوگوں کو متداول اور بڑی کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم کا دیدار نصیب فرمائے، قرآن کے ساتھ سچا تعلق نصیب فرمائے، قرآن پر عمل کے بعد اس کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

محمود الرشید حدوٹی (اللہ اس کی خطائیں معاف کر دے)

مدیر جامعہ رشیدیہ، مناواں لاہور کینٹ

۱۵ جون ۲۰۱۵ بروز پیر

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

قرآن اور حاملینِ قرآن

تلاوتِ قرآن

تورات، زبور، انجیل اور بے شمار صحف آسمانی کی تلاوت کی وہ فضیلت، وہ مقام اور مرتبہ اللہ کے ہاں نہیں ہے جو قرآن کریم کی فضیلت کا ہے، یہ عرش بریں کا سب سے آخری پیغام ہے جس کی تلاوت پر ملنے والے اجر و ثواب کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ(۲۹)لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ(فَاطِر۳۰)

بے شک وہ لوگ جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے چپکے سے اور علی الاعلان خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھیں جو کبھی تباہ نہیں ہو گی، اللہ تعالیٰ انہیں اس کا پورا ثواب عطا فرمائے گا بلکہ زیادہ دے گا، بے شک وہ ذات بخشنے والی قدر دان ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اسے پڑھتے ہیں، اس کے اندر جو کچھ لکھا ہوا ہے اس پر غور و فکر کرتے ہیں، پھر ان آیات کے مصداق اور مفہوم کے مطابق عمل کرتے ہیں، جو کچھ اس زندہ کتاب میں موجود ہے وہ اس پر دل و جان سے یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ سچ اور حق ہے۔

① تلاوت قرآن۔ ② اقامت نماز، ③ سری اور اعلانیہ مال خرچ کرنے سے ان لوگوں کا مقصود ایسی تجارت ہے جو کبھی برباد نہ ہو، اس پر ان کو پورا پورا اجر ملے گا اور اللہ ان کو اپنا مزید فضل عطا فرمائے گا۔

قرآن پڑھنے پڑھانے والے کی شان

امیر المومنین، جامع القرآن حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (بخاری ،سنن ابی داؤد)

تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کریم سیکھتا ہے اور سکھاتا ہے۔

حضرت عثمان ہی کی روایت میں خیر کم کی جگہ افضلکم کے الفاظ بھی وارد ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سب سے افضل اور بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کریم کو خود سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے، اسی طرح ایک روایت میں خیر کم کی جگہ خیار کم کے الفاظ آئے ہیں۔

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

خَيْرُكُمْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَأَقْرَأَهُ(فضائل القرآن لاحمدبن حسن رازی)

تم میں بہترین وہ شخص ہے جس نے خود قرآن کریم پڑھا اور دوسروں کو پڑھایا۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا

أَشْرَافُ أُمَّتِي، حَمَلَةُ الْقُرْآنِ

میری امت کے شرفاء قرآن کریم کے حاملین ہیں۔

حاملین قرآن اہل اللہ ہیں

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

إِنَّ لِلَّهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ، قِيلَ: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْقُرْآنِ، فَهُمْ أَهْلُ اللَّهِ وَخَاصَّتِهِ(فضائل القرآن لاحمدبن حسن رازی)

بے شک لوگوں میں کچھ اللہ کے اہل ہیں، پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو قرآن والے ہیں، وہ اللہ کے اہل اور اس کے خاص لوگ ہیں۔

نسبت کے ساتھ چیزوں کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، زمین کے ایک خالی ٹکڑے کی کوئی اہمیت نہیں ہے مگر جب اسی ٹکڑے پر مسجد بنادی جاتی ہے تو اس کی عزت اور حرمت اس نسبت کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے کہ یہ اللہ کا گھر ہے ، روئے زمین پر بیت اللہ کو عزت

اور حرمت اس لیے ملی کہ اس کی نسبت اللہ کی طرف ہے، کپڑے ساری دنیا میں پہنے جاتے ہیں مگر جو کپڑا خانہ کعبہ کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اس کی نسبت کے باعث عزت بڑھ جاتی ہے، قرآن کریم کے غلاف اور اس کی چولی والے کپڑے کی عزت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ وہ اللہ کی مقدس کلام کے ساتھ چپکا ہوا ہے، اسی طرح حافظ قرآن کی نسبت جب اللہ کے کلام کی طرف ہو گئی تو اس کا مقام اور مرتبہ بھی باقی لوگوں کی نسبت زیادہ ہو گیا، اسی لیے اسے اللہ کے محبوب نبی ﷺ نے اھل اللہ فرمایا، اللہ کا خاص بندہ فرمایا۔

حافظ قرآن اسلام کا جھنڈا ہے

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

حَامِلُ الْقُرْآنِ حَامِلُ رَآيَةِ الْإِسْلَامِ مَن اَكرَمَهُ فَقَد أَكْرَمَ الله وَمَن أَهَانَهُ فَعَلَيهِ لَعنَةُ الله(مسندالفردوس ابوشجاع الديلمى ہمذانی ج۲ص ۱۳۵)

حاملِ قرآن (حافظ) اسلام کا جھنڈا ہے، جس نے اس کی عزت کی گویا اس نے اللہ کی عزت کی، جس نے اس کی توہین کی اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

یہ اعزاز اور اکرام حافظ قرآن کا ہے کہ اس کے لیے علمبردار اسلام کا خطاب نبی کریم ﷺ کی پاک زبان سے جاری ہوا، اس کے اکرام، اس کی عزت، اس کی توقیر اور تعظیم کو اللہ کی تعظیم قرار دیا گیا، اس لیے کہ اس کے سینے میں اللہ کا کلام محفوظ ہے، اس کے سینے میں عرش بریں کا سب سے آخری پیغام موجود ہے، اس کے ساتھ جو رعایت کی جائے گی وہ اللہ کے کلام کی وجہ سے کی جائے گی، یہ گویا کہ ان کا نمائندہ ہے جنہوں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نمائندگان کو اپنے احکامات سنانے مخلوق کی طرف بھیجا تھا، جو حافظ قرآن، حامل قرآن کی توہین اور بے اکرامی کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے، یہ کوئی معمولی سرزنش نہیں ہے، جو اس قابل قدر انسان کی بے حرمتی کرے گا اللہ اسے اپنی رحمتوں سے محروم کر دیں گے، اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیں گے، پھر یہ شیطان کی طرح گردش کرتا رہے گا مگر اس کے ہاتھ کوئی خیر اور بھلائی نہیں آئے گی، شیطان کے گلے میں

بھی لعنت کا طوق اللہ نے ہزاروں سال پہلے ڈالا تھا، اسے جنت سے نکالا تھا، اسے عظمت کے خطابات سے محروم کیا تھا، اس کی عبادت، ریاضت کے باعث ہر آسمان پر اس کے الگ الگ نام تھے، جو اس کی شان اور بلندی کو ظاہر کرتے تھے مگر اس نے آدم علیہ السلام کی عظمت کا انکار کیا تھا، جس پر اس کو جنت سے نکالا گیا، اس کے خطابات سلب کر لیے گئے ،اس کے اعزازات سلب کر لیے گئے، اس کو نعمتوں سے محروم کر دیا گیا، اس کو قیامت کی صبح تک ذلیل اور خوار کر دیا گیا، تو حافظ قرآن کے سینے میں اللہ کا کلام ہوتا ہے، اس کی بے حرمتی اور بے اکرامی کرنے والا بھی شیطان کی طرح راندۂ درگاہ ہو گا۔

اتنے بڑے اعزاز اور اکرام کو مد نظر رکھتے ہوئے آجکل کے حفاظ کو بھی اپنا قبلہ درست کرنا چاہیے، انہیں کسی عالم دین کے پاس بیٹھ کر دین کی باتیں سیکھنی چاہییں، جن سے اسے علم ہو کہ وہ کس قدر عظیم نعمت سے مالا مال ہے، اسے کس قدر نوازا گیا ہے، وہ صرف ایک کتاب کا حافظ ہی نہیں ہے اسے اس کی بدولت اللہ کا کتنا قرب ملا ہوا ہے، وہ اس شان کی لاج رکھے کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس کی اور اس کے پاس جو عظیم نعمت ہے اس کی بے اکرامی ہو۔

حافظ قرآن کی ہر شر سے حفاظت

حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ

حَامِلُ الْقُرْآنِ يُوقىٰ يَعْنِي مِن كُلِّ شَرٍّ وسليل حَامِلُ كِتَابُ الله عَزَّ وَجَلَّ لَهُ فِي بَيتِ مَالِ الْمُسلِمِينَ فِي كُلِّ سَنَةٍ مِئَتَا دِينَارٍ فَإِن مَاتَ وَعَلِيهِ دَينٌ قَضَي الله عَزَّ وَجَلَّ ذَلِكَ الدَّين

حامل قرآن کو ہر شر سے بچایا جاتا ہے، حامل قرآن کے لیے مسلمانوں کے بیت المال میں سے ہر سال دو سو دینار ہیں، اگر وہ مر جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کر دیں گے۔(مسند الفردوس الدیلمی الھمذانی)

چونکہ قرآن کریم عربوں میں نازل ہوا، عربی زبان میں نازل ہوا، عربوں کے لہجے اور محاورات میں نازل ہوا، جوں جوں نازل ہوتا جاتا تھا، آپ ﷺ جوں جوں اسے پڑھ

کر اپنے سننے والوں کو سناتے تھے وہ فوراً ہی اس کا معنی اور مفہوم سمجھ جاتے تھے، جہاں کہیں کوئی مشکل پیش آتی اس کی وضاحت آپ ﷺ خود کر دیتے تھے، بخاری اور دوسری احادیث کی کتابوں میں کتاب التفسیر میں باقاعدہ مشکل آیات کے معانی بیان کیے گئے ہیں، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول اور نبی کریم ﷺ سے ماثور ہیں، اس لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے قرآن کریم کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں تھا، مگر عربوں کے سواد نیا بھر کے مسلمان قرآن سمجھنے کے لیے پہلے عربی زبان کے قاعدے سیکھتے ہیں، عربی گرائمر سیکھتے ہیں ہمارے ہاں پاکستان میں عربی زبان سیکھنے کے لیے کم از کم چار سال کا عرصہ صرف ہو جاتا ہے، جس میں طالب علم عربی گرائمر سیکھتا ہے پھر اس کے بعد قرآن کریم سیکھتا ہے، اس لیے روایت میں فرمایا گیا کہ حافظ قرآن کو ہر شر سے بچایا جاتا ہے، پریشان کن حالات سے اسے نکالا جاتا ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کے بیت المال سے حافظ قرآن کو وظیفہ جاری کرنے کی بات ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر حافظ قرآن دنیا میں کاروبار تجارت میں مصروف ہو جائیں گے، دنیوی کاموں میں مشغول ہو جائیں گے تو قرآن کریم کی حفاظت نہیں کر سکیں گے، جو کہ منشاء خداوندی کے خلاف ہے کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے، ان کی مشغولیات کے باعث قرآن کریم کی حفاظت مشکل ہے، اس لیے ان کو دنیوی افکار اور پریشانیوں سے بچانے کے لیے بیت المال سے وظیفہ جاری کرنے کا فرمایا گیا تا کہ یہ لوگ دلجمعی کے ساتھ اللہ کے کلام کی حفاظت میں ہمہ وقت لگے رہیں۔

آج کل ہمارے دینی مدارس میں سب سے مظلوم اور مجبور طبقہ یہی حفاظ ہیں، جو صبح سے شام تک چٹائی کے ساتھ چٹائی ہو جاتے ہیں، معمولی اور گزارہ لائق تنخواہ پر یہ لوگ اپنی زندگیاں یہاں مدرسہ کی مسند پر کھپا دیتے ہیں، جب مالی حالات انہیں پریشان کرتے ہیں تو غریب گھر گھر جا کر معمولی سی فیس پر امیر زادوں کو پڑھاتے ہیں، جس سے ان کی پریشانی میں کچھ کمی آجاتی ہے مگر وہ مال بنانے والی ایک دو پائی مشین بن جاتے ہیں، پھر جب رمضان قریب آتا ہے تو پھر دن رات قرآن کریم یاد کر کے رمضان میں قرآن سناتے ہیں، میرے

خیال میں یہ قرآن کی بے قدری ہے، مدارس کو چاہیے کہ وہ قرآن پڑھانے والے اساتذہ کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کریں تاکہ یہ لوگ دلجمعی اور اطمینان قلبی کے ساتھ قرآن کو وقت دے سکیں۔

حفاظ کو دوست رکھنے والا اللہ کا دوست ہے

حضرت علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حَمَلَۃُ الْقُرْآنِ ھمُ المُعَلِّمُونَ کَلَامَ اللہ اَلمُلبِسُونَ نُورَ اللہ مَن وَّالَاھم فَقَد وَالَی اللہ وَمَن عَادَاھم فَقَد عَادَی اللہ عَزَّ وَجَلَّ (مسندالفردوس الدیلمی الھمذانی)

حاملینِ قرآن کریم اللہ کے کلام کے استاذ ہیں، اللہ کے نور کا لباس پہننے والے ہیں، جو ان کو دوست بنائے گا اللہ ان کو دوست بنائے گا، جو ان سے دشمنی رکھے گا اللہ ان سے دشمنی رکھے گا۔

یقیناً صبح سے شام تک اللہ کے کلام کو پڑھانے والے خوش نصیب لوگ ہیں، یہ بظاہر سیدھے سادے ہیں، ان کی وضع قطع درویشوں والی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اجلے اور صاف ستھرے لوگ ہیں، انہوں نے نورالٰہی کا لباس زیب تن کیا ہوا ہے، جو ہر کسی کو دکھائی نہیں دیتا، ان کی فقر و مستی کو دیکھ کر جو ان کو دوست بنالیتا ہے گویا وہ اللہ کو اپنا دوست بنالیتا ہے ، پھر اللہ انہیں اپنا دوست بنالیتا ہے جو اس کے حامل قرآن کو اپنا محبوب رکھتے ہیں، ان کے ساتھ دشمنی رکھنے والا کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا وہ اپنا ہی خانہ خراب کرتا ہے، ان کے ساتھ دشمنی رب تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کے مترادف ہے، جو اللہ کا دشمن بن جاتا ہے اس کی تباہی اور بربادی کو کوئی بھی نہیں روک سکتا، فرعون اللہ کا دشمن تھا تو اسے پانی میں غرق کیا گیا، نمرود اللہ کا دشمن تھا تو اس کو ایک لنگڑے مچھر نے عبرت کا نشان بنا دیا، قارون اللہ کا دشمن تھا تو اسے قیامت کی صبح تک زمین میں دھنسایا جاتا رہے گا، اسی طرح جس جس نے جس جس انداز میں اللہ سے دشمنی کی اللہ نے اسے دنیا کی آنکھوں کے سامنے عبرت کا سامان بنایا اور قیامت کے ہولناک عذاب سے وہ نہیں بچ سکے گا، اس

لیے حفاظ کرام، علماء کرام کی قدر کرنا چاہیے، یہ لوگ اللہ کے دین کے محافظ اور پاسبان ہیں، انہوں نے اپنی زندگیاں اسی کام کے لیے وقف کی ہوئی ہیں، یہ اللہ کے مقربین اور محبوب لوگ ہیں۔

حفاظ اہل جنت کے نگران ہوں گے

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ

حَمَلَةُ الْقُرْآنِ عُرفَاءُ أَهلِ الْجَنَّةِ وَالشُّهَدَاءُ قَادَتُهم وَالأَنبِيَاءُ سَادَتُهم

حفاظ قرآن اہل جنت کے مانیٹر ہوں گے، شہداان کے قائد ہوں گے اور انبیاء کرام ان کے سردار ہوں گے۔(مسند الفردوس الدیلمی الھمذانی)

دنیا میں اسکول اور مدرسہ میں اسی طالب علم کو اپنی جماعت کا مانیٹر بنایا جاتا ہے جس میں کچھ خوبیاں ہوں، جو اپنے اسباق یاد ہی نہیں کرتا بلکہ دوسروں کو بھی یاد کرواتا ہے، وہ ان کے وقت کو قیمتی بنانے کے لیے ان پر نظر رکھتا ہے، جنت میں حفاظ کرام حضرات شہدا اور انبیاء کی اقتدا میں اہل جنت کا خیال رکھیں گے، حالانکہ وہ ایسا مقام ہو گا جہاں اس تکلف کی ضرورت نہیں ہو گی کہ کوئی کسی پر نظر رکھے، خیال رکھے مگر حافظ قرآن کا اعزاز اور اکرام بڑھانے کے لیے ایسا کیا جائے گا۔

حافظ قرآن کی عزت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

أَكْرِمُوا حَمَلَةَ الْقُرْآنِ فَمن أَكْرَمَهم فَقَد أَكْرَمَ الله أَلَا وَلَا تَنقُصُوا حَمَلَةَ الْقُرْآنِ حُقُوقَهم فَإِنَّهُم مِنَ الله بِمَكَانٍ(مسدالفردوس)

حافظ قرآن کی عزت کرو، جس نے اس کی عزت کی اس نے اللہ کی عزت کی، حافظ قرآن کے حقوق میں کوتاہی نہ کرو، کیونکہ وہ اللہ کے ہاں ایک مرتبے پر فائز ہے۔

دنیا میں موجود ممالک میں رہنے والے لوگ اپنے ملک کی افواج کی عزت کرتے ہیں، اپنے ملک کی پولیس کی عزت کرتے ہیں، اپنے ملک کے سپہ سالار کی عزت کرتے ہیں، کسی

مقام پر ڈیوٹی پر موجود پولیس والے کی عزت کرتے ہیں کہ یہ ہمارے ملک کا نمائندہ ہے، اس کی وردی کی وجہ سے اسے یہ عزت دی جاتی ہے، حافظ قرآن کے پاس اگرچہ ظاہری لباس اور وردی ایسی نہیں ہوتی، مگر اس کے سینے میں اللہ کی کتاب محفوظ ہوتی ہے، اس کی ظاہری شکل وصورت مسلمانوں والی ہوتی ہے، اس کے سینے میں جو کتاب ہے وہ اللہ کا کلام ہے، وہ شہنشاہوں کے شہنشاہ کا کلام ہے، وہ بادشاہوں کے بادشاہ کا کلام ہے، اس لیے حافظ قرآن کی عزت کی جاتی ہے۔

سارے کلاموں سے افضل کلام

تمام اعمال میں قرآنی تعلیم کو فضیلت حاصل ہے، کلام اللہ کو سارے کلاموں پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو ساری مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے، جیسا کہ ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے

فَضْلُ كَلَامِ اللَّهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ (ترمذی)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں کلام اللہ کی جگہ صراحت کے ساتھ قرآن کا ذکر ہے جیسا کہ ارشاد ہے

فَضْلُ الْقُرْآنِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ

قرآن کریم کو تمام کلاموں پر اس لیے برتری حاصل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اللہ کی صفت ہے، یہ اللہ کی مخلوق نہیں ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ چونکہ اللہ میں سے ہے اس لیے یہ تمام کلاموں سے افضل، اعلیٰ اور برتر ہے۔

مختلف روایات میں مختلف افضل اعمال

یوں تو مختلف روایات میں مختلف کاموں کو فضیلت دی گئی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا گیا کہ

أَنَّ الافَضَلَ اَلاِيمَانُ بالله ثُمَّ الجِهادُ ثُمَّ الْحَجُّ

افضل ترین چیز ایمان باللہ ہے پھر جہاد ہے پھر اس کے بعد حج ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا گیا کہ

الْإِيمَانُ وَالجِهادُ

افضل ترین چیز ایمان ہے اور جہاد ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں

الصَّلَاةُ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ ثُمَّ الْجِهَادُ

نماز کو افضل قرار دیا گیا، پھر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کو، پھر جہاد کو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جب سوال کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ

کھانا کھلانا اور جانے انجانے شخص کو سلام کرنا افضل ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں سوال کیا گیا کہ مسلمانوں میں کون سا مسلمان بہتر ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ

مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ

وہ بہترین ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے۔

اب یہاں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا گیا کہ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

مختلف روایات میں محدثین کی تطبیق

ذخیرۂ حدیث میں اس طرح کی بے شمار روایات موجود ہیں، اس طرح کی مختلف روایات کے درمیان محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے تطبیق قائم کی ہے، بعض حضرات یوں کہتے ہیں کہ مختلف حالات کے پیش نظر جو سوالات کیے گئے انہی کو مد نظر رکھ کر ان کے جوابات بھی دیے گئے، اسی طرح سوال کرنے والے اشخاص کے حالات کو بھی پیش نظر رکھ کر ان کے سوالات کے جوابات دیے گئے، اس لیے کبھی فرمایا گیا کہ یہ چیز بہتر ہے، یوں نہیں

کہا گیا کہ تمام اشیاء، تمام حالات میں، تمام اشخاص کے لیے، تمام وجوہات کی بناء پر افضل اور بہتر ہیں، بلکہ کوئی چیز کس حال میں بہتر ہے اور کوئی چیز کس حال میں بہتر ہے، اس پر روایات سے بھی دلائل دیے جا سکتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

حَجَّةٌ لِمَنْ لَمْ يَحُجَّ أَفْضَلُ مِنْ أَرْبَعِينَ غَزْوَةً وَغَزْوَةٌ لِمَنْ حَجَّ أَفضَلَ مِن أَربَعِينَ حَجَّة

جس شخص نے حج نہیں کیا اس کے لیے ایک حج سو جہادوں سے بہتر ہے اور جس شخص نے حج کر لیا ہے اس کے لیے ایک جہاد میں شرکت چالیس حجوں سے بہتر ہے۔

ماہر قرآن کی شان

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ (بخاری ومسلم)

وہ شخص جو قرآن کریم پڑھتا ہے درانحالیکہ وہ اس میں مہارت بھی رکھتا ہے تو وہ عزت والے نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور وہ شخص جو قرآن کریم پڑھتا ہے اور وہ اس میں اٹکتا ہے درانحالیکہ وہ اس پر مشکل ہو رہا ہوتا ہے تو اس شخص کے لیے دہرا اجر ہے۔

ماہر قرآن اسے کہا جاتا ہے جو اپنے فن میں طاق ہو، جسے قرآن اچھی طرح یاد ہو، وہ تلاوت کے دوران اٹکے اور نہ ہی اسے پڑھنے میں مشکل پیش آئے، اس لیے کہ اسے درست طریقے سے یاد ہے، مضبوط یاد ہے، اٹکن نہیں آتی، متشابہ معلوم ہیں۔ سفرہ سافر کی جمع ہے، جیسے کتبہ کاتب کی جمع ہے، سافر کا معنی ہے پیغامبر (پیغام لے جانے والا) سفرہ پیغام لے جانے والوں کو کہا جاتا ہے، سفرہ رسولوں کو بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ

تعالیٰ کے پیغامات لے کر لوگوں کی طرف سفر کرتے ہیں، بعض یہ کہتے ہیں کہ سفرہ کا معنی کتابیں ہیں، بررہ کا معنی ہے اطاعت کرنے والے، فرمانبرداری کرنے والے، بات ماننے والے، بررہ بر سے مشتق ہے، بر (بکسر الباء) نیکی کو کہا جاتا ہے۔

اٹکن سے کیا مراد ہے؟

اٹکنے والے کے لیے اس روایت میں یتتعتع فرمایا گیا ہے، یتتعتع سے مراد یہ ہے کہ وہ تلاوت قرآن کے دوران اٹکتا ہے، اس لیے کہ اسے یاد نہیں ہے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زبان میں فصاحت، صفائی نہیں ہے، وہ جب بات کرتا ہے، تلاوت کرتا ہے تو الفاظ کو درست طور پر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اس کے لیے دہرا اجر ہے، ایک اجر اس کی تلاوت کا اور دوسرا اجر دوران تلاوت مشقت اٹھانے کا۔

معلوم ہوا کہ ماہر حافظ قرآن کی شان اور مقام تو ہے ہی، وہ بھی اس سعادت سے محروم نہیں ہے جسے اچھی طرح قرآن یاد ہے اور نہ ہی وہ عمدہ طریقے سے پڑھ سکتا ہے ، رکتا ہے ، اٹکتا ہے ، اسے مشقت کا سامنا کرنا پڑھتا ہے یہ بھی اس فضیلت کو حاصل کر لیتا ہے۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ماہر قرآن اسے کہا جاتا ہے جو حافظ قرآن بھی ہو اور اسے خوبصورت آواز کے ساتھ بھی پڑھتا ہو۔

ماہر قرآن کسے کہتے ہیں؟

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

وَالْمَاهِرُ الْحَاذِقُ الْكَامِلُ الْحِفْظِ الَّذِي لَا يَتَوَقَّفُ وَلَا يَشُقُّ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ بِجَوْدَةِ حِفْظِهِ وَإِتْقَانِهِ(نووری شرح مسلم)

ماہر اسے کہا جاتا ہے جسے پورا قرآن زبانی یاد ہو، جو اٹکے نہیں، پڑھنے کے دوران اسے مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑھے، اس لیے کہ اسے درست اور عمدہ طریقے سے یاد ہے اور مضبوط حافظ ہے۔

مسلمان اور منافق کی تلاوت میں فرق

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، مَثَلُ الْأُتْرُجَّةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ، لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ (بخاری ،مسلم)

جو مومن قرآن کریم پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور اس کا ذائقہ بھی اچھا ہے اور جو مومن قرآن کریم نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے جس میں خوشبو تو نہیں ہے البتہ اس کا ذائقہ اچھا ہے اور میٹھا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے پھول کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے،اور اس منافق کی مثال جو قرآن کریم نہیں پڑھتا مثل اندرائن کے ہے جس کی خوشبو بھی نہیں ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔

یعنی جس قدر وہ مناسب خیال کرتا ہے اس قدر قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، یہاں مضارع کا صیغہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت ہمیشہ کرتا ہے اور ہمیشہ تلاوت کرتا رہے تاکہ تلاوتِ قرآن کریم اس کی عادت بن جائے، جیسے عربی محاورے میں کسی مہمان نواز اور یتیم کی نگہداشت کرنے والے کے لیے کہا جاتا ہے فلاں آدمی

يَقْرِي الضَّيْفَ وَيُعْطِي الْيَتِيمَ

کہ وہ مہمان نواز ہے،وہ یتیم کا خیال رکھتا ہے، گویا کہ یہ کام اس کی عادت میں شامل ہو چکے ہیں،اس کے بغیر اسے چین و سکون نہیں ملتا۔

ترنج اور اترنج کے فوائد

یہاں اترجہ کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے، قاموس میں ہے

الْأُتْرُجُّ وَالْأُتْرُجَّةُ وَالتُّرُنْجُ ووالتُّرُنْجَةُ مَعْرُوفٌ وَهِيَ أَحْسَنُ الثِّمَارِ الشَّجَرِيَّةِ وَأَنْفَسُهَا

عِنْدَ الْعَرَبِ لِحُسْنِ مَنْظَرِهَا صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ

اترج،اترجہ،ترنج اور ترنجہ مشہور پھل کا نام ہے،یہ پھلوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے،عرب کے ہاں یہ پھل اپنی خوبصورتی کے باعث قیمتی پھل ہے،یہ زرد رنگ کا ہوتا ہے،اس پھل کی رنگت دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہے۔

طب کی کتابوں میں ترنج کے بے شمار فائدے لکھے ہوئے ہیں،ان میں سے ایک یہ ہے کہ ترنج ہاضم ہے،معدے کے لیے مفید ہے،اس کا ذائقہ بہترین ہے،اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے مومن کا ذائقہ بھی اچھا ہوتا ہے،اس لیے کہ اس کے دل میں ایمان ہوتا ہے،اس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اس لیے کہ لوگ اس کی تلاوت سے راحت حاصل کرتے ہیں اور اپنے لیے ثواب کا ذخیرہ کرتے ہیں،اس سے قرآن کریم سنتے ہیں اور سیکھتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے مومن میں دو صفات پائی جاتی ہیں، ایک ظاہری اور دوسری باطنی،باطنی صفت سے مراد اس کا عقیدہ ہے،اس کا ایمان ہے،اس کو میٹھا مزہ فرمایا گیا،مومن کی دوسری صفت ظاہری ہے جس کا اثر لوگوں تک پہنچتا ہے، اسے خوشبو سے تشبیہ دی گئی ہے،پتا چلا کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے مومن کا ظاہر اور باطن دونوں ہی بہتر ہیں۔

کھجور کی مثال

اور اس مومن کی مثال جو قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتا کھجور کی طرح ہے، کھجور میں کسی قسم کی خوشبو نہیں ہوتی ہاں البتہ اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے،تو وہ مومن جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کا اندر ایمان کی وجہ سے اچھا ہوتا ہے مگر اس کا ظاہر تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے بہتر نہیں ہوتا ہے۔

جس طرح مومن کی ظاہری اور باطنی حالت ہوتی ہے اسی طرح منافق میں بھی

ظاہری اور باطنی حالت ہوتی ہے، جو منافق قرآنِ کریم کی تلاوت نہیں کرتا وہ اندرائن کی طرح ہوتا ہے اندرائن خربوزے کی شکل کا ایک پھل ہوتا ہے جو دیکھنے میں خوبصورت ہوتا ہے اور مزے میں بہت کڑوا ہوتا ہے، اسی لیے اردو محاورے میں کہا جاتا ہے کہ اندارئن پھل دیکھنے کا ہے چکھنے کا نہیں، جس کا ظاہر اچھا ہو اور باطن خراب ہو، صحبت اور ہم نشینی کے لائق نہیں ہوتا، صورت اچھی ہو اور سیرت خراب ہو۔

بہر حال اندرائن کڑوا ہوتا ہے، جس طرح اندر سے کڑوا اسی طرح باہر سے بھی کڑوا ہوتا ہے، دونوں اعتبار سے بدمزہ اور بدذائقہ ہوتا ہے۔ جو منافق تلاوت کرتا ہے اس کی مثال خوشبو کی طرح ہے، جس کا ظاہر تو اچھا ہے مگر اس کا باطن اچھا نہیں ہوتا، چونکہ منافق کا اندر ایمان سے خالی ہوتا ہے، جب اندر ایمان سے خالی ہے تو اس کا ظاہر اسے کسی طرح بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔

ظاہری اور باطنی تاثیر

اللہ تعالیٰ کے کلام میں ظاہری اور باطنی تاثیر ہوتی ہے، پھر بندوں میں فرق ہوتا ہے، کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کو اس تاثیر کا ایک وافر حصہ ملتا ہے، جس کو اس کی تاثیر کا ایک اچھا خاصہ حصہ ملتا ہے وہ اس مومن کو ملتا ہے جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور جس بندے کو اس کی تاثیر کا کچھ حصہ بھی نہیں ملتا وہ منافق حقیقی ہے۔ کچھ وہ ہوتے ہیں جن کو ظاہری تاثیر تو ملتی ہے مگر باطنی سے محروم ہوتے ہیں یہ ریاکار لوگ ہیں یا اس کے برعکس وہ مومن ہوتا ہے جو اس کی تلاوت نہیں کرتا، ان معانی کا اظہار اسی طرح ہوتا ہے جس طرح حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں اترجہ کا ایک فائدہ یہ تحریر کیا گیا ہے کہ جس گھر میں ترنج ہوتا ہے اس میں جن داخل نہیں ہوتا، اسی طرح جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرے گا اس کو جن پریشان نہیں کرے گا۔

کتاب ہدیٰ باعث عظمت

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

إن الله يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ (مسلم)

بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو ذلیل کرتے ہیں۔

علامہ بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس روایت کے ذیل میں ایک واقعہ قلم بند کیاہے کہ نافع بن عبدالحارث خزاعی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عُسفان کے مقام پر ملے ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مکہ کا گورنر مقرر کیا تھا، نافع رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم مکہ میں اپنی جگہ کسے امیر مقرر کر کے آئے ہو؟

نافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابن ابزیٰ کو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ابن ابزیٰ کون ہے؟

نافع رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مکہ والوں پر ایک غلام کو امیر مقرر کر کے آئے ہو؟

نافع رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! اس لیے کہ إِنَّهُ قَارِئٌ لِكِتَابِ اللَّهِ عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ

وہ قرآن کریم کا قاری ہے، فرائض اور قرآنی علوم جانتا ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إن الله يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

یہ علم اور قرآن ہی کی عطا ہے کہ ایک غلام آزاد لوگوں کا امیر بنایا گیا، پھر خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس غلام کی امارت کے بارے میں سنا تو فوری طور پر ان کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ نبی کریم ﷺ نے عالمِ قرآن، حافظِ قرآن کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ اسے عزت دی، اسے بلندی دی، اسے رِفعت دی، علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے الاستیعاب میں اسی لیے تو اس غلام ابن ابزیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے وہ جملہ ارشاد فرمایا جسے کتب اسلامیہ کے سینے نے

محفوظ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عبد الرحمٰن ابن ابزیٰ رحمۃ اللہ علیہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہے جنہیں اللہ نے قرآن کی بدولت عزت اور عظمت دی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِين أُوتُوا الْعلم دَرَجَات

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

پھر ایمان والا عالم ہو تو اس کو غیر عالم مومن پر اللہ تعالیٰ بلندی اور فوقیت عطا فرماتے ہیں، اور درجات میں بلندی اور فوقیت یہ بندے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

قرآن کے باعث آخرت میں بلندی

دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو باقی لوگوں کی بہ نسبت ایک امتیازی شان و مقام عطا کرتا ہے اور آخرت میں اللہ انہیں جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز کرے گا، یوں بھی ان لوگوں کی دنیا اور آخرت میں ایک خصوصی شان اور مرتبہ ہے۔

قرآن کریم میں جو ارشاد ہے

نَرفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ

ہم جسے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں۔

اس میں درجات کی بلندی علم کے ذریعے ہی تو عطا کی جاتی ہے۔ اللہ نے جو اپنے نبی کو تعلیم دی کہ وہ علم کی زیادتی کے لیے دعا کریں اور کہیں کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما، یہ تعلیم دینا اس بات پر دلالت ہے کہ علم کی زیادتی اللہ کو محبوب ہے، اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی چیز کی زیادتی کے لیے دعا مانگنے کا حکم نہیں دیا مگر اللہ نے علم میں زیادتی کی دعا مانگنے کا حکم دیا ہے، اس سے علم کی فضیلت معلوم ہوئی ہے۔

علم سے کون سا علم مراد ہے؟

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

وَالْمُرَادُ بِالْعِلْمِ الْعِلْمُ الشَّرْعِيُّ الَّذِي يُفِيدُ مَعْرِفَةَ مَا يَجِبُ عَلَى الْمُكَلَّفِ مِنْ أَمْرِ دينه فِي

عِبَادَاتِهِ وَمُعَامَلَاتِهِ وَالْعِلْمُ بِاللّٰهِ وَصِفَاتِهِ وَمَا يَجِبُ لَهُ مِنَ الْقِيَامِ بِأَمْرِهِ وَتَنْزِيهِهِ عَنِ النَّقَائِصِ وَمَدَارُ ذَلِكَ عَلَى التَّفْسِيرِ وَالْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ(فتح الباری ج۱ص۱۴۱)

علم سے مراد شرعی علم ہے، وہ جو مکلف انسان کو اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جو چیزیں دین کے بارے میں جاننی اس کے لیے ضروری ہیں ان کو پہچاننا، جن کا تعلق اس کی عبادات، معاملات سے متعلق ہے، اللہ اور اس کی صفات کو جاننے سے متعلق ہے، اور وہ علم جو اس کے لیے دین پر کھڑا رہنے، نقص و عیب سے پاک کرنے کے لیے ضروری ہے، اس کا مدار تفسیرِ قرآن، حدیث شریف اور فقہ اسلامی پر ہے۔

حضرت عمر کے الفاظ میں اقوام سے مراد

علامہ ملا علی قاری ھروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں اقوام سے مراد جماعت کثیرہ ہے

أَيْ دَرَجَةَ جَمَاعَاتٍ كَثِيرَةٍ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ بِأَنْ يُحْيِيَهُمْ حَيَاةً طَيِّبَةً فِي الدُّنْيَا وَيَجْعَلَهُمْ مِنَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فِي الْعُقْبَى(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج۴)

یعنی دنیا اور آخرت میں بہت سی جماعتوں کو بلند کرتا ہے، بایں طور کہ انہیں دنیا میں پاکیزہ زندگی عطا کرتا ہے اور ان کو ان لوگوں میں شامل کرتا ہے جن پر اللہ نے آخرت میں انعام کیا ہے۔

کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کاملین کے درجات سے اٹھا کر اسفل سافلین تک پہنچا دیتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ اس کتاب کے ذریعے بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے، قرآن کریم کو اللہ نے اہل ایمان کے لیے رحمت اور آبِ شفا بنایا ہے، اللہ کے محبوب بندوں کے لیے یہ شفا ہے اور جو اس کے راندۂ درگاہ ہیں ان کے لیے یہ خون بن جائے گا، ظالم، ریاکار، غیر مخلص نقصان اور ٹوٹے میں چلے جائیں گے۔

ذلیل کون ہوں گے اور عزیز کون؟

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

فَمَنْ قَرَأَهُ وَعَمِلَ بِهِ مُخْلِصًا رَفَعَهُ اللَّهُ، وَمَنْ قَرَأَهُ مُرَائِيًا غَيْرَ عَامِلٍ بِهِ وَضَعَهُ اللَّهُ
جو شخص قرآن کو پڑھ کر اس پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا، اسے عزت دے گا اور جو اسے دکھلاوے کے لیے پڑھے گا، اس پر عمل نہیں کرے گا اللہ اسے ذلیل کر دے گا۔ (مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ج۴ ص۷۴۵۱)

جب انسان اللہ کو راضی کرنے کے لیے کوئی بھی کام کرتا ہے تو اس پر اللہ اس سے نہ صرف راضی ہوتے ہیں بلکہ اسے اس نیک نیتی کے باعث دنیا اور آخرت میں عزت اور بلندی سے مالا مال فرماتے ہیں، اسی طرح قرآن کریم جو اللہ کی مقدس کتاب ہے، عرش بریں کا سب سے آخری پیام ہے، اسے جو لوگ اخلاص کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس کی عظمت اور رفعت کا خیال رکھ کر پڑھتے ہیں پھر اس میں جو کچھ لکھا ہے اس پر عمل بھی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ دونوں جہانوں میں سرخرو اور فتح یاب کرتے ہیں، جو دکھلاوا کرتا ہے، ناموری اور شہرت کی خاطر اسے پڑھتا ہے وہ یقیناً ایک نہ ایک دن گرفت میں آجائے گا، اللہ اس سے راضی نہیں ہوں گے، اس لیے کہ اس کا مقصد اللہ کو راضی کرنا ہے ہی نہیں، وہ تو شہرت اور ناموری کا طالب ہے، قیامت والے دن ایسا قاریٔ قرآن دوزخ میں ڈالا جائے گا جو دنیا کی خاطر قرآن کی تلاوتیں کرتا تھا، شہرت کے حصول کے لیے اس نے دن رات ایک کیا ہوا تھا، ایسے شخص کو اللہ ایسے ذلیل کرے گا کہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے، اس لیے کہ اسے آج یہاں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، یہ شہرت کا متلاشی تھا سو اسے دنیا میں دی جا چکی ہے۔

تلاوتِ قرآن کریم کا فائدہ

ابوامامہ الباھلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ
اقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ، (مسلم)
قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو اس لیے کہ وہ اپنے پڑھنے والے کے لیے قیامت کے دن

سفارش کرتا ہوا آئے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت کو غنیمت سمجھو اور اس کی تلاوت پر ہمیشگی اختیار کرو، جو لوگ قرآنِ کریم کے ادب آداب کا خیال رکھتے ہوئے اس کی تلاوت کرتے رہیں گے یہی قرآن قیامت کے دن ان کی سفارش کرے گا۔

نبی کریم ﷺ نے یہاں قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے کا حکم فرمایا ہے، لیکن اس کو مطلق رکھا ہے، اس سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ انسان ہر وقت قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا رہے، حالانکہ ہر وقت اور ہر حال میں قرآن کی تلاوت کرنا ایک استحبابی امر ہے، اس لیے یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جب انسان انسانی ضروریات میں مشغول ہو تو اس دوران تلاوت نہ کرے جیسے قضائے حاجت کا وقت ہے، پیشاب کرنے کا موقع ہے، اس لیے کہ قرآن کریم ایک عظمت والی، شان والی، مرتبے اور مقام والی کتاب ہے، یہ قابل احترام کتاب ہے اس لیے اس کے اس مرتبے اور مقام کا خیال رکھتے ہوئے ان مواقع پر تلاوت نہ کرے، اسی طرح جب انسان ازدواجی معاملات میں مصروف ہو تو اس دوران تلاوت نہ کرے، ہاں البتہ اس موقع پر ارشادِ رسالت مآب کی تعمیل کرتے ہوئے وہ دعا پڑھے جس میں شیطان سے پناہ مانگی گئی ہے۔

دن رات تلاوت کرنے والے پر رشک

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ، وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا، فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ، وَآنَاءَ النَّهَارِ (بخاري ومسلم)

دو آدمیوں پر رشک آتا ہے ایک وہ شخص جسے اللہ نے قرآن کی دولت دی ہے اور وہ دن رات قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال عطا فرمایا ہے پھر وہ اسے دن رات خرچ کرتا ہے۔

حسد قابل مذمت چیز ہے، مگر یہاں حسد سے مراد غبطہ ہے جس کا اردو میں معنی ہے رشک کرنا، حسد اور غبطہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ حسد کسی کے پاس نعمت دیکھ کر جل جانے کو، اور اس سے اس نعمت کے سلب ہو جانے کی آرزو کرنے کا نام ہے، جب کہ غبطہ یہ ہوتا ہے کہ کسی کے پاس نعمت دیکھ کر انسان آرزو کرے کہ مجھے بھی یہ نعمت مل جائے، دوسرے کے پاس موجود نعمت کے ختم ہونے کی آرزو نہ کرے، حسد قابل مذمت فعل ہے جب کہ رشک قابل تعریف چیز ہے۔

حسد کی دو اقسام

اہلِ علم کا کہنا ہے کہ حسد دو قسم پر ہے، ایک حقیقی اور دوسرا مجازی، حقیقی حسد یہ ہے کہ جس شخص کو نعمت ملی ہے اس سے اس نعمت کے سلب ہونے اور ضائع ہونے کی آرزو کی جائے، یہ ایسا حسد ہے جو مذموم چیز ہے، یہ حسد باجماع امت حرام ہے، روایات میں اس حسد سے منع کیا گیا ہے، بلکہ قرآن کریم میں بھی ایسے حسد سے روکا گیا، حدیث شریف ہے کہ حسد نہ کرو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسد ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حسد تمام نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے اور حسد مجازی کا دوسرا نام غبطہ ہے، غبطہ یہ ہوتا ہے کہ انسان یہ آرزو کرے کہ جس طرح دوسرے شخص کے پاس یہ نعمت موجود ہے میرے پاس بھی ایسے ہی ہو، مگر اس سے اس نعمت کے ضائع ہونے کی تمنا نہ کرے، اگر اس نعمت کا تعلق دنیوی کاموں سے ہو تو پھر اس پر ایسا رشک کرنا مباح ہے، اگر اس نعمت کا تعلق اطاعت سے ہے تو رشک کرنا مستحب ہے، یہاں حدیث شریف میں جس حسد کا ذکر ہے اس سے مراد یہی غبطہ ہے یعنی رشک کرنا ان دو چیزوں میں جائز ہے۔

حسد کی تین اقسام

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں حسد کی تین اقسام بیان کی ہیں فرماتے ہیں "حسد تین قسم پر ہے ① حرام ② مباح ③ محمود

حسد حرام: وہ ہے کہ انسان محسود (جس سے حسد کیا جائے) سے نعمت کے ختم ہونے کی آرزو رکھے، اور یہ آرزو رکھے کہ اس سے چھن کر اس (حاسد) کے پاس آجائے۔

حسد مباح: یہ ہے حاسد اس بات کی تمنا کرے کہ جو بھلائی اور خیر کی چیز محسود میں ہے وہ اسے بھی ملے، اگر اس چیز کا تعلق دنیوی امور سے ہے تو وہ مباح ہے اگر اس کا تعلق طاعات سے ہے تو یہ حسد محمود ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلا بالاجماع حرام ہے، بعض فضلاء کا یہ کہنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارے کسی بھائی پر کوئی انعام کرے اور تو اسے ناپسند کرے اور اس سے ضائع ہو جانے کی تمنا کرے تو یہ ہر حال میں حرام ہے، ہاں سوائے اس نعمت کے جو کسی کافر یا فاجر کو پہنچے، اور جو ان نعمتوں کو فتنہ اور فساد کے لیے معاون بنائے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں باب الاغتباط باندھ کر یہ بات واضح کر دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ حسد دو چیزوں کے علاوہ محمود نہیں ہے اس سے یہاں مراد حسد مجازی ہے جسے غبطہ کہا جاتا ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری میں ہے جس میں ارشاد ہے

لاَ حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الحَقِّ، وَآخَرُ آتَاهُ اللَّهُ حِكْمَةً، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا (بخاری)

دو آدمیوں پر رشک آتا ہے ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال دیا ہو، بخل اسے حق کی راہ میں خرچ کرنے سے روک رہا ہو پھر بھی وہ بے دریغ اللہ کی راہ میں خرچ کرے، دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت (یعنی قرآن کی تعلیم) دے رکھی ہو وہ اس کے ذریعے فیصلے کرتا ہو اور اس کی تعلیم دیتا ہو۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں اس حدیث شریف کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ "اس عبارت میں دو مبالغے ہیں، ان میں سے ایک یہ تسلیط کا لفظ ہے جو غلبہ اور قہر نفس پر دلالت کرتا ہے جو انتہائی بخل کی طرف نفس کو کھینچتا ہے، اور دوسرا لفظ ھلکتہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مال میں سے کوئی چیز باقی نہ رہے، ان دونوں لفظوں سے فضول خرچی کا وہم پیدا ہوتا ہے، اور فضول خرچی مال کو اس طرح خرچ کرنا ہے جو مناسب نہیں ہے۔ پھر یہاں لفظ فی الحق ہے جو اس وہم کو دور کرتا ہے، اسی طرح ایک دوسرا قرینہ بھی ہے جو دو مبالغوں کو شامل ہے، ان میں ایک لفظ حکمت ہے جو مضبوط اور دقیق علم پر دلالت کرتا ہے، اور دوسرا لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے اور انہیں تعلیم دینا ہے، یہ چیز تو نبوت کی نیابت ہے، پھر لفظ حکمت علمی کمال کی طرف اشارہ کرتا ہے اور عملی کمال کی طرف بندے کو لے جاتا ہے، علمی اور عملی دونوں کمالات بندے کو مکمل کرتے ہیں، پھر فضیلت یا تو اندرونی ہوتی ہے یا بیرونی ہوتی ہے، اور اصل فضائل اندرونی علم کے ہیں اور بیرونی فضائل کی بنیاد مال ہے، پھر فضائل یا تو مکمل ہوتے یا مکمل سے بھی اوپر ہوتے ہیں، دوسرا درجہ پہلے سے افضل ہے اس لیے کہ اس میں کمال بھی ہے اور تعدی بھی ہے اور پہلے والا متعدی ہونے سے قاصر ہوتا ہے، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف کا معنی علم کے حصول کی ترغیب دینا ہے، اسے سیکھنے کی ترغیب ہے، مال کا صدقہ کرنے کی ترغیب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۵۸)

تلاوتِ قرآن، ایک نیکی دس برابر

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ الم حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ(جامع الترمذی)

جس شخص نے اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھا پس اس کے لیے اس کے بدلے میں ایک نیکی ہے، ایک نیکی کے بدلے میں اس جیسی دس نیکیاں ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ الم

ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

اس روایت میں قرآن کریم کی تلاوت کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ کی کتاب یعنی قرآن کریم میں سے ایک حرف کی تلاوت کرے گا اس کو اس حرف کی تلاوت کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی، نیکی سے مراد اللہ کی طرف سے اسے عطیہ دیا جائے گا، اور قرآن کے ایک حرف کے بدلے میں ملنے والی نیکی اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ہو گی، بلکہ ان دس نیکیوں سے بھی دگنی نیکیاں اسے ملیں گی، جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے کہ

{مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا} [الأنعام: ١٦٠]

جو ایک نیکی لائے گا پس اسے اس جیسی دس نیکیاں ملیں گی۔

اللہ بے نیاز ذات ہے وہ ایک حرف کے بدلے میں ایک نیکی دے، یا دس نیکیاں دے یا دس سے بڑھا چڑھا کر دے اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا، اس سے کوئی سوال نہیں کر سکتا، اس سے اس سے مزید کوئی طلب نہیں کر سکتا۔

یہاں حرف پڑھنے پر نیکی ملنے کا ذکر ہے، حرف لفظ اور معنیٰ سمیت مراد ہے، حرف سے جملہ مفیدہ مراد ہے اور حرف سے کلمہ مراد ہے، ایسے کلمات جن کی قرأتیں مختلف ہیں اور مطلق کلمہ مراد ہے، اسی لیے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف الگ حرف ہے، لام الگ حرف ہے اور میم الگ حرف ہے، جس طرح سورۃ الفیل کے شروع میں الم ہے اگر اس طرح کے حروف ہوں تو اس پر نیکیوں کی تعداد تیس ہو گی، اگر الم سورۃ البقرہ کے شروع والا یا اس جیسے حروف ہوں تو اس پر نوے نیکیاں ملیں گی، یہاں یقیناً سورۃ البقرہ کے شروع والا الم مراد ہے، جو کہ مد کے ساتھ ہے، سورۃ الفیل کے شروع والا مراد نہیں ہے، جس کا لام متحرک اور میم ساکن ہے۔

تلاوت قرآن، ایک حرف کے بدلے میں نیکی

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد سورۃ البقرہ کے شروع والا الم ہے جیسے فرمایا

مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنَ الْقُرْآنِ كُتِبَ لَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، لَا أَقُولُ الم ذَلِكَ الْكِتَابُ، وَلَكِنَّ الْأَلِفَ وَاللَّامَ وَالْمِيمَ وَالذَّالَ وَاللَّامَ وَالْكَافَ (مصنف ابن ابی شیبہ)

جس نے قرآن کریم میں سے ایک حرف پڑھا اس کے لیے اس کے بدلے دس نیکیاں ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ الم ذالک الکتاب، لیکن الف، لام، میم، ذال، لام اور کاف الگ الگ حرف ہیں۔

بولے ہوئے نہیں لکھے ہوئے الفاظ معتبر

اور یہ بات ظاہر ہے کہ حساب میں بولے ہوئے الفاظ کا نہیں بلکہ لکھے ہوئے الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اور بیہقی کی روایت میں ارشاد ہے

لَا أَقُولُ بِسْمِ اللَّهِ وَلَكِنْ بَاءٌ وَسِينٌ وَمِيمٌ، وَلَا أَقُولُ الم وَلَكِنَّ الْأَلِفَ وَاللَّامَ وَالْمِيمَ

میں بسم اللہ نہیں کہتا بلکہ با، سین اور میم کہتا ہوں، میں الم نہیں کہتا بلکہ الف، لام اور میم کہتا ہوں۔

حرفوں کے لحاظ سے نوے نیکیاں

ہمارے استاذ شیخ موسیٰ روحانی بازی درس ترمذی کے دوران فرمایا کرتے تھے کہ الم کی شکل پر نہ جاؤ بلکہ اس کے تلفظ کو دیکھو کہ یہ لکھنے اور بولنے میں کیسے لگتا ہے، فرمایا الف، لام، میم، جب ان حروف کی گنتی کی جائے تو یہ نو حروف بنتے ہیں، اگر ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو پھر ان نو حروف کی تلاوت پر نوے نیکیاں ملیں گی۔

تلاوتِ قرآن میں مشغول کو زیادہ ملتا ہے

حضرت ابو سعید خدری نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللَّهِ عَلَى سَائِرِ الكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ (ترمذی)

جس شخص کو قرآن کریم میرے ذکر اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھے تو میں اسے سوال کرنے والوں سے زیادہ دوں گا اور کلام اللہ کی فضیلت تمام کلاموں پر اس طرح ہے جیسے اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کریم یاد کرنے میں مصروف رہتا ہے، اس کا بنیادی علم سیکھنے میں مشغول رہتا ہے، اس پر غور و فکر کرنے میں منہمک رہتا ہے، اس پر عمل کرنے میں وقت لگاتا ہے، ایسے شخص کو سوال کرنے والوں اور دعا کرنے والوں سے زیادہ دیا جاتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں مشغول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے حقوق کا خیال رکھتا ہے، اسے یہ خیال نہیں ہونا چاہیے کہ میں چونکہ قرآن پڑھنے اور تلاوت میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ سے کوئی چیز مانگ نہیں سکا، ہو سکتا ہے کہ میری ضرورت کی چیزیں مجھے نہ دی جائیں تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے شخص کو مانگنے والوں اور طلب کرنے والوں سے زیادہ دیا جائے گا، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہو جاتے ہیں۔

علامہ مبارکپوری اس حدیث کے ذیل میں تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں

أَيْ مَنِ اشْتَغَلَ بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَلَمْ يَفْرُغْ إِلَى ذِكْرٍ وَدُعَاءٍ أَعْطَى اللَّهُ مَقْصُودَهُ وَمُرَادَهُ أَكْثَرَ وَأَحْسَنَ مِمَّا يُعْطِي الَّذِينَ يَطْلُبُونَ حَوَائِجَهُمْ (تحفة الاحوذی ج۸ص ۱۹۶

یعنی جو شخص تلاوت قرآن میں مشغول رہا، اسے ذکر کرنے اور دعا مانگنے کی فرصت نہیں ملی تو اسے اللہ اس کا مقصود و مطلوب عطا فرمائیں گے، ان لوگوں سے زیادہ اور بہتر جن کو اپنی حاجات اور ضروریات طلب کرنے پر وہ دیتا ہے۔

اس کے برعکس اللہ کے ذکر اور یاد میں مصروف ہونے کی بجائے اپنی اولاد، اپنے مال اور تجارت میں مشغول ہونے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ جو لوگ اللہ کی یاد سے غافل ہو کر

اپنی اولاد، اپنے مال اور اپنی تجارت میں مشغول ہو جاتے ہیں انہیں نقصان اٹھانے والے بتایا گیا ہے۔

اللہ نے قرآن میں دعا کا حکم فرمایا ہے کہ مجھ سے پوشیدہ اور اعلانیہ دعا کرو، مجھے یاد کرو، جب کہ یہاں روایت میں قرآن کریم کی مشغولیت کو ترجیح دی گئی ہے، محدثین نے اس میں تطبیق دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ وقت تین قسم پر ہیں

ایک وہ وقت ہے جس پر دلیل شرعی کہتی ہے کہ اس میں دعا مانگنا افضل اور بہتر ہے، جیسے سجدہ کے وقت، اس لیے یہاں دعا کرنا مقدم ہے، یہاں دعا ہی راجح ہو گی، ایک وہ وقت ہے جس میں ذکر کرنا افضل ہے جیسے رکوع ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ رکوع میں اپنے رب کی عظمت اور بڑائی بیان کرو، سجود میں اللہ سے بہت زیادہ دعا کرو، یہاں دعا ذکر سے زیادہ مقدم ہے، ایک وہ وقت ہے جس میں دعا اور ذکر دونوں میں سے کسی کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے جیسے اس روایت میں قرآن کریم کی مشغولیت کا ذکر ہے تو یہاں تلاوت بہتر اور افضل ہے۔

ایک روایت میں یہاں تک فرمایا گیا کہ جو شخص قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہونے کی وجہ سے اللہ سے دعا وغیرہ نہیں کر سکتا اللہ اسے شکر گزاروں سے زیادہ عطا فرماتے ہیں۔ (فضائل القرآن علامہ ابن کثیرؒ)

شیخ عز بن عبد السلام فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر دعا پر مقدم ہے۔

قرآن سے خالی سینہ ویران گھر ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالبَيْتِ الخَرِبِ (ترمذی)

بے شک وہ شخص کہ اس کے جوف میں قرآن نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

عربی میں جوف پیٹ کو کہاجاتاہے، یہاں پیٹ بول کر دل مراد لیاگیاہے، قرآن میں بھی ایک مقام پر دل پر جوف کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں قرآن کریم میں سے کچھ بھی موجود نہیں ہے، اسے قرآن کریم کا کوئی حصہ بھی یاد نہیں ہے تو وہ ویران گھر کی طرح ہے، بیت الخرب کا معنی ہے ایسا گھر جو ساز و سامان سے خالی ہو، جس طرح بھرے بھرے گھر وہ ہوتے ہیں جن میں زیب وزینت کا سامان رکھا ہوا ہوتا ہے اسی طرح بھرا بھرا دل وہ دل ہے جس میں قرآن کریم کی آیات یا سورتیں محفوظ ہیں، دل کی آبادی قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ہوتی ہے، ایمان کے ساتھ ہوتی ہے، اسی طرح باطنی زینت سچے اور کھرے اعتقادات کے ساتھ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کے ساتھ ہوتی ہے، جس دل میں عمدہ عقائد نہیں ہیں، قرآن کا کچھ حصہ نہیں ہے، اللہ کی نعمتوں پر غور و فکر نہیں ہے وہ دل دل نہیں ہے، وہ مردہ دل ہے، وہ ویران گھر ہے۔

صاحبِ قرآن کی منزلیں

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ، وَارْتَقِ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا (ابوداؤد،ترمذی،نسائی)

قرآن والے کو کہاجائے گا، قرآن کریم پڑھتاجا اور جنت کے درجات چڑھتا جا، اور یوں ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا، پس بے شک تیرا آخری ٹھکانا آخری آیت کی تلاوت کے وقت ہو گا۔

صاحبِ قرآن سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن کو لازم رکھتا ہے، اس کی تلاوت کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے، صرف قرآن پڑھنے والے کو صاحبِ قرآن نہیں کہاجائے گا، کیونکہ قرآن پڑھنے والے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن

پڑھنے والوں پر قرآن لعنت کرتا ہے، مگر صاحبِ قرآن کو اعزاز دیا جاتا ہے اور اس کا اِکرام کیا جاتا ہے۔

اِرتق یہ امر کا صیغہ ہے ،جو ارتقٰی یرتقی سے ہے ،جس کا معنی ہے چڑھنا، اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحبِ قرآن کو کہا جائے گا کہ وہ قرآن کی تلاوت کرتا جائے اور جنت کے بلند درجات پر چڑھتا جائے ، اس لیے کہ جنت کے اونچے اونچے درجات ہیں ،ایک روایت کے مطابق جس قدر قرآن کی آیات ہیں اسی قدر جنت کے درجات ہیں ،جس قدر پڑھتا جائے گا جنت کے درجات چڑھتا جائے گا اور قرب کے درجات حاصل کرتا جائے گا، جو آدمی سارا قرآن پڑھ جائے گا وہ سارے درجات پر چڑھ جائے گا، جو کچھ حصہ پڑھے گا وہ اسی قدر جنت کے درجہ پر چڑھے گا۔

بخاری کے شارح ابوالحسن ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

جنت کے درجات قرآنی آیات کے لحاظ سے بنائے گئے ہیں، جو ثلث قرآن کریم پڑھے گا وہ جنت کے ثلث درجات پر چڑھے گا، جو آدھا قرآن پڑھے گا وہ جنت کے آدھے درجات پر چڑھے گا، جو سارا قرآن پڑھے گا وہ جنت کے سب سے اونچے درجے پر چڑھے گا،اس کے اوپر سوائے انبیاء، صدیقین اور شہدا کے مراتب کے کوئی مرتبہ نہیں ہو گا۔(شرح بخاری)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صاحبِ قرآن جنت کے درجات پر ہمیشہ چڑھتا جائے گا، جونہی درجات ختم ہونے کے قریب ہوں گے تو وہ استدعا کرے گا جس پر اس کے لیے مزید درجات مہیا کیے جائیں گے ،اور اس تلاوت میں اس کے لیے کوئی تھکاوٹ اور مشقت نہیں ہو گی بلکہ یہ اس کے لیے اس طرح ہو گی جیسے فرشتوں کے لیے تسبیح ہے۔

صاحبِ قرآن کو کہا جائے گا کہ وہ آہستہ آہستہ تلاوت کرے، جلدی جلدی نہ پڑھے، ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے جیسے دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر تجوید اور ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتا تھا، تجوید کے قواعد و ضوابط کا خیال رکھ کر پڑھا کرتا تھا، مخارج کا لحاظ رکھ کر پڑھا کرتا تھا۔

قرآن کریم پر عمل کرنے والے کا اعزاز

حضرت سہل بن معاذ جہنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ، أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهَذَا؟

جس نے قرآن کریم کی تلاوت کی اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کیا، اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا، اس کی روشنی اگر وہ تمہارے گھروں میں ہو تو سورج کی روشنی سے زیادہ ہو گی، تو تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو اس پر عمل کرتا ہو؟ (سنن ابی داؤد، سنن الدارمی)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے زبانی قرآن کریم یاد کیا، اس میں جو کچھ تھا اس پر اس نے عمل بھی کیا، تو اس کے والدین کو تاج پہنایا جائے گا، یہ ان کا اعزاز جنت میں ہو گا، اس لیے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو دنیا میں قرآن کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔

ابو القاسم شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے منظوم کلام میں اس کی مدح کی ہے

هَنِيئًا مَّرِيئًا وَالِدَاكَ عَلَيهِمَا ... مَلَابِسُ أَنوَارٌ مِّنَ التَّاجِ وَالحُلَا
فَمَا ظَنُّكُم بِالنَّجلِ عِندَ جَزَائِهِ ... أُولٰئِكَ أَهلُ اللهِ وَالصَفْوَةِ المَلَا

تیرے ماں باپ کو مبارک ہو کہ ان دونوں پر نور کے تاجوں کا لباس ہو گا، تمہارا اس بچے کے بارے میں کیا گمان ہے کہ اس کو کیا صلہ ملے گا، یہ اللہ والے لوگ ہیں۔

اپنے بچے کو کتاب کی تعلیم دینے والے کا اجر

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا أَجْرُ مَنْ عَلَّمَ وَلَدَهُ كِتَابَ اللَّهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: الْقُرْآنُ كَلامُ اللَّهِ لا غَايَةَ لَهُ، قَالَ: فَجَاءَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلامُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا جِبْرِيلُ، مَا أَجْرُ مَنْ عَلَّمَ وَلَدَهُ كِتَابَ اللَّهِ؟ ، قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، الْقُرْآنُ كَلامُ اللَّهِ لا غَايَةَ لَهُ، ثُمَّ صَعَدَ جِبْرِيلُ إِلَى السَّمَاءِ، فَسَأَلَ إِسْرَافِيلَ: مَا أَجْرُ مَنْ عَلَّمَ وَلَدَهُ كِتَابَ اللَّهِ؟ فَقَالَ إِسْرَافِيلُ: يَا جِبْرِيلُ، الْقُرْآنُ كَلامُ اللَّهِ لا غَايَةَ لَهُ، ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَنْزَلَ جِبْرِيلَ عَلَى رَسُولِهِ عَلَيْهِمَا السَّلامُ، فَقَالَ: إِنَّ رَبَّكَ يُقْرِئُكَ السَّلامَ، وَيَقُولُ: مَنْ عَلَّمَ وَلَدَهُ الْقُرْآنَ، فَكَأَنَّهُ حَجَّ الْبَيْتَ عَشَرَةَ آلافِ حَجَّةٍ، وَكَأَنَّمَا اعْتَمَرَ عَشَرَةَ آلافِ عُمْرَةٍ، وَكَأَنَّمَا غَزَا عَشَرَةَ آلافِ غَزْوَةٍ، وَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ عَشَرَةَ آلافِ رَقَبَةٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَكَأَنَّمَا أَطْعَمَ عَشَرَةَ آلافِ مُسْلِمٍ جَائِعٍ، وَكَأَنَّمَا كَسَا عَشَرَةَ آلافِ مُسْلِمٍ عَارٍ، وَيُكْتَبُ لَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ حَسَنَاتٍ، وَيُمْحَى عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي لا أَقُولُ الم عَشْرَةً، وَلَكِنْ أَلِفٌ عَشْرٌ، وَلامٌ عَشْرٌ، وَمِيمٌ عَشْرٌ، وَيَكُونُ مَعَهُ فِي قَبْرِهِ حَتَّى يُبْعَثَ وَيُثَقِّلَهُ فِي الْمِيزَانِ، وَجَازَ عَلَى الصِّرَاطِ كَالْبَرْقِ الْخَاطِفِ، وَلَمْ يُفَارِقْهُ الْقُرْآنُ حَتَّى تَنْزِلَ بِهِ هَذِهِ الْكَرَامَةُ وَأَفْضَلُ مَا يَتَمَنَّى

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا، یارسول اللہ! جس شخص نے اپنے بیٹے کو اللہ کی کتاب سکھائی اس کا اجر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قرآن اللہ کا کلام ہے اس کی کوئی انتہاء نہیں ہے، اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے جبریل سے پوچھا: اے جبریل! جو شخص اپنے بچے کو اللہ کی کتاب سکھائے اس کا کیا اجر ہے؟ جبریل نے فرمایا، اے محمد ﷺ! قرآن اللہ کا کلام ہے اس کی کوئی انتہاء نہیں ہے، پھر جبریل آسمانوں کی طرف چلے گئے، پھر انہوں نے اسرافیل علیہ السلام سے پوچھا، کہ اس شخص کا کیا اجر ہے جس نے اپنے بچے کو اللہ کی کتاب سکھائی؟ اسرافیل نے کہا، اے جبریل! قرآن اللہ کی کلام ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے جبریل کو نبی کریم ﷺ کی طرف بھیجا، آپ نے آکر فرمایا کہ آپ کا رب آپ کو سلام کہہ رہے ہیں، اور فرما رہے ہیں جو شخص اپنے بیٹے کو قرآن کریم سکھائے گویا اس نے

بیت اللہ شریف کے دس ہزار حج کیے ہوں، گویا کہ اس نے دس ہزار عمرے کیے ہوں، گویا کہ اس نے دس ہزار بار جہاد کیا ہو۔

گویا کہ اس نے اولاد اسماعیل علیہ السلام سے دس ہزار غلاموں کو آزاد کیا ہو، گویا کہ اس نے دس ہزار بھوکے مسلمانوں کو کھانا کھلایا ہو، گویا کہ اس نے دس ہزار ننگے مسلمانوں کو کپڑا پہنایا ہو، اس کے لیے ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس گناہ مٹا دیے جاتے ہیں، اے محمد ﷺ! میں یہ نہیں کہتا کہ الم کی دس نیکیاں ملتی ہیں بلکہ الف کی دس نیکیاں ملتی ہیں، لام کی دس نیکیاں ملتی ہیں اور میم کی دس نیکیاں ملتی ہیں، یہ اس وقت تک قبر میں اس کے ساتھ ہو گا جس وقت اسے اٹھایا جائے گا، یہ چیز اس کے میزان کو وزنی کر دے گی، پلصراط سے اسے تیز بجلی کی طرح گزار دے گا، جب تک اسے یہ بزرگی حاصل نہیں ہو جاتی قرآن کریم اس سے جدا نہیں ہو گا، جب تک اس کی آرزو سے اسے زیادہ اور بہتر نہیں مل جاتا قرآن کریم اس سے جدا نہیں ہو گا (فضائل القرآن احمد بن الحسن رازی)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ يَنْبُتُ لَهُ غَرْسٌ فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَأَحْكَمَهُ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَاجًا ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ

جس شخص نے سبحان اللہ وبحمدہ کہا اس کے لیے جنت میں ایک درخت پیدا ہوتا ہے اور جس آدمی نے قرآن کریم پڑھا اور اسے مضبوط کیا اور جو کچھ اس میں تھا اس پر عمل کیا تو قیامت کے دن اس کے والد کو ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ ہو گی۔ (فضائل القرآن احمد بن الحسن رازی)

جس دل نے قرآن یاد کیا اسے عذاب نہیں ہو گا

علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اِقرؤُوا القُرآنَ فَإِنَّ اللہ تَعَالیٰ لَا یُعَذِّبُ قَلباً وَعَی القُرآنَ وَإِنَّ ھذَا القُرآنَ مَأدُبَۃُ اللہ فَمَن دَخَلَ فِیہِ فَھو آمِنٌ وَّمَن أَحَبَّ القُرآن فَلیُبَشِّر(التبیان)

قرآن کریم کی تلاوت کرو، پس بے شک اللہ تعالیٰ ایسے دل کو عذاب نہیں دیں گے جس نے قرآن کریم یاد کیا، یہ قرآن اللہ کا دستر خوان ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ حفاظت میں آگیا، اور جس نے قرآن کریم سے محبت کی اسے جنت کی خوشخبری دے دو۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حمیدی جمالی نے فرمایا کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جو جہاد کر رہا تھا کہ آپ کے ہاں وہ شخص محبوب ہے یا جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے ؟ تو حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ مجھے وہ شخص محبوب ہے جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے ، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کریم سیکھتا اور سکھاتا ہے۔

قاریٔ قرآن اور تلاوتِ قرآن کی فضیلت

جس طرح قرآن کریم تمام کتابوں میں ممتاز اور منفرد مقام و مرتبے کی حامل کتاب ہے اسی طرح حافظِ قرآن، قاریٔ قرآن اور عالمِ قرآن کی حیثیت باقیوں سے ممتاز، منفرد اور جداگانہ ہے، حضرت ابن مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یَؤُمُّ القَومُ أَقرَؤُھم لِکِتَابِ اللہ تَعَالیٰ (مسلم)

لوگوں کی امامت وہ شخص کروائے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھنے والا ہو

حافظِ قرآن، قاریٔ قرآن اور عالمِ قرآن کی شان و مقام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی مسلم اور مانا ہوا تھا، حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایسے ہی لوگوں کو ترجیح دی جاتی تھی جو عالم ہوں، قاری ہوں، قرآن کے حافظ ہوں۔

قرآن کے قاری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

كَانَ الْقُرَّاءُ أَصحَابُ مجلِسِ عُمَرَ رضي الله عنه وَمُشَاوَرَتِهِ كُهولًا وَّشَبَاباً (بخاری)

قرآن کے قاری لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس کے لوگ ہوتے تھے ،جوان کے مشیر تھے ،خواہ وہ عمر میں بوڑھے ہوتے یاجوان ہوتے۔

ابو یحیٰ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں فرماتے ہیں کہ مذہب صحیح اور مختار جس پر علماء کو اعتماد ہے وہ یہی ہے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا تسبیح، تہلیل اوران کے علاوہ دیگر اور اد واذ کار سے زیادہ بہتر ہے۔(التبیان)

قرآن کریم کے قاری کا اکرام

جو لوگ قرآنِ کریم کے قاری ،حافظ اور عالم ہوں ان کی عزت اور تکریم کرنی چاہیے، انہیں کسی قسم کا دکھ اور تکلیف نہیں دینی چاہیے ،ان کا ادب واحترام اس لیے کرنا ہے کہ ان کے سینے میں اللہ کی کتاب ،اللہ کا کلام محفوظ ہے ،اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے ،اس کی عزت اور احترام کے لیے ضروری ہے کہ جن لوگوں کے سینے میں یہ پاکیزہ کلام ہو ان کی بھی عزت اور ادب کیا جائے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ [الْحَجُّ:٣٢]

یہ (ہمارا حکم ہے)اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیز گاری میں سے ہے۔دوسرے مقام پر اسی سورت میں ارشاد ہے،

وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ (الحج ٣٠)

یہ (ہمارا حکم ہے)اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔

شعائر شعیرہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے نشانی اور علامت، جو چیزیں کسی خاص مذہب یا کسی خاص جماعت کی نشانیاں اور علامتیں سمجھی جاتی ہیں وہ اس کے شعائر کہلاتی ہیں، شعائر اسلام ان خاص خاص احکامات کا نام ہے جو عرف میں مسلمان ہونے کی نشانی اور علامت خیال کیے جاتے ہیں، ان کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے، ان کی عزت کرنا، ان کا احترام کرنا، ان کی تعظیم و بزرگی کا خیال رکھنا یہ دل کے تقویٰ کی نشانی اور علامت ہے، ان شعائر کی تعظیم وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دل میں تقویٰ اور خداخوفی ہو، پتا چلا کہ تقویٰ کا اصل تعلق انسانی دل کے ساتھ ہے، جب دل اللہ سے ڈرتا ہے تو اس کا اثر انسان کے تمام اعمال پر پڑتا ہے۔

جس بندے کے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف ہو گا وہ ان چیزوں کا ضرور ادب واحترام کرے گا جو اس کی طرف منسوب ہیں، جنہیں شعائر اللہ کہا جاتا ہے، ان کی توہین، بے ادبی، بے حرمتی اور بے اکرامی وہی شخص کرے گا جس کا دل خوف خدا سے خالی ہو گا۔

اسی طرح ارشاد ہے

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (۲۱۵)الشعراء

اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

قرآن کریم کے قاری، حافظ اور عالم میں ایمان کی دولت باقی مسلمانوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے، قرآنی تعلیمات کو دیکھنے، پڑھنے اور ان پر عمل کرنے سے ایمان میں نہ صرف یہ کہ اضافہ ہوتا ہے بلکہ مضبوطی بھی آتی ہے، اگر ایک شخص ایمان میں مستحکم اور مضبوط ہے تو جو ایمان کے ساتھ ساتھ اضافی خوبیوں کا مالک ہے وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی عزت اور احترام کیا جائے، اس کے ساتھ نرم روی کی جائے، ادب سے پیش آیا جائے، اس کے لیے اس لیے تواضع کی جائے کہ اس کے سینے میں اللہ کا کلام اور قرآن ہے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (٨٨)الحجر

اور ایمان لانے والوں کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

سورۃ الشعراء میں ان اہل ایمان کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے جو ایمان کے بعد آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں، یہاں پیروی کی قید نہیں ہے، لیکن یہ بات ایک معمولی عقل ودانش والا شخص بھی جانتا ہے کہ ایمان والوں میں پیرویٔ رسول اور اتباع رسول بہر حال پائی جاتی ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا (٥٨)الاحزاب

اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔

جو شخص ایمان والے مردوں اور عورتوں کو تکلیف دیتا ہے، ایذا پہنچاتا ہے ان کے لیے سخت وعید آئی ہے کہ انہوں نے اس تکلیف دہی کے باعث وبال اپنے سر لے لیا ہے، تو ایمان والوں میں قرآن کے عالم، حافظ اور قاری بھی شامل ہیں، جو ہمہ وقت قرآن کی تلاوت سے اپنے دلوں کو گرماتے اور ایمانوں کو چمکاتے ہیں، ایمانی کیفیات میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔

حاملِ قرآن کی تعظیم گویا کہ اللہ کی تعظیم ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللَّهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ(سنن ابی داؤد،باب فی تنزیل الناس منازلهم)

اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے یہ ہے، بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا، حامل قرآن (حافظ، قاری عالم) کی عزت کرنا، وہ حاملِ قرآن جو غلو اور تشدد نہ کرے اور نہ ہی قرآن سے دور ہونے

والا ہو اور عدل کرنے والے بادشاہ کی عزت کرنا۔

اس روایت میں تین آدمیوں کی عزت اور احترام کرنے کا صراحتاً فرمایا گیا ہے کہ ان کی عزت اور احترام بجالانا گویا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالانا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں عملی طور پر حفاظِ قرآن کی عزت کرکے دکھائی جس سے دوسروں کو بھی ترغیب ملتی ہے، جیسے جنگ احد کے شہدا کو دفنانے کے موقع پر جب دو دو اور تین تین شہیدوں کو ایک ایک قبر میں دفن کیا جارہا تھا تو نبی کریم ﷺ فرمارہے تھے کہ قَدِّمُوا اکثرھم قُرآناً ان میں جو قرآن کے اعتبار سے زیادہ ہے اسے آگے رکھو۔

دیکھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرنا

آپ ﷺ نے دیکھ دیکھ کر قرآن کریم پڑھنے کا بھی حکم دیا، کیونکہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ مسلمان کی آنکھیں بھی عبادت کا حق ادا کریں، اس کا طریقہ یہی ہے کہ مسلمان دیکھ دیکھ کر پڑھے، صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے پوچھا بھی تھا کہ یارسول اللہ! عبادت میں آنکھوں کا حصہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے دیکھ کر پڑھنا اور اس میں غور و فکر کرنا،

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ مِنَ الْمُصْحَفِ خُفِّفَ عَنْ أَبَوَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ، وَلَوْ كَانَ أَبَوَاهُ مُشْرِكَيْنِ، فَإِنْ كَانَ أَبَوَاهُ مُسْلِمَيْنِ غُفِرَ لَهُمَا، وَلِلْقَارِئِ فِي كُلِّ حَرْفٍ مَرَّةٌ يَغْفِرُ اللَّهُ لَهُ وَلِوَالِدَيْهِ

جو شخص قرآن کریم کی تلاوت دیکھ کر کرتا ہے اس کے والدین سے عذاب ہلکا کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ کافر ہی ہوں، اگر اس کے والدین مسلمان ہوں تو ان دونوں کی بخشش کردی جاتی ہے اور قرآن پڑھنے والے کے لیے یہ ہے کہ ہر حرف کو ایک بار پڑھنے سے اللہ اس کو اور اس کے والدین کو معاف کردیتے ہیں۔(فضائل قرآن احمد بن الحسن رازی)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي الْمُصْحَفِ كُتِبَتْ لَهُ أَلْفُ حَسَنَةٍ، وَمَنْ قَرَأَ فِي غَيْرِ الْمُصْحَفِ فَأَلْفِي أَلْفِ حَسَنَةٌ(فضائل القرآن احمدبن الحسن رازی)

جس نے قرآن کریم دیکھ کر پڑھا اس کے لیے ایک ہزار نیکی لکھی جاتی ہے اور جس نے قرآن کریم کے بغیر پڑھا اس کے لیے دو ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

مَنْ أَدَامَ النَّظَرَ فِي الْمُصْحَفِ مَتَّعَهُ اللَّهُ بِبَصَرِهِ مَا بَقِيَ فِي الدُّنْيَا

جو شخص ہمیشہ قرآن کریم میں نظر ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کی آنکھوں کے ذریعے تب تک نفع پہنچائیں گے جب تک وہ دنیا میں رہے گا۔(فضائل القرآن احمد بن حسن رازی)

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّهُ اللَّهُ فَلْيَقْرَأْ فِي الْمُصْحَفِ

جس شخص کو یہ بات اچھی لگے کہ اللہ اس سے محبت رکھیں تو اسے چاہیے کہ وہ قرآن کریم کے اندر دیکھ کر پڑھتا رہے۔(فضائل قرآن احمد بن حسن رازی)

عبداللہ بن حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے بارہ لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔(التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

اسد بن وداعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا تمام عبادات میں شیطان پر سب سے زیادہ بھاری ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حالتِ نماز میں قرآن کی تلاوت نماز کے علاوہ سے زیادہ افضل ہے اور تلاوتِ قرآن ذکر سے افضل ہے، ذکر صدقہ سے زیادہ افضل ہے، صدقہ روزے سے زیادہ افضل ہے، تلاوتِ قرآن دیکھ کر کر ناز بانی کرنے سے زیادہ افضل ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے اہل علم و فضل کو بڑی اہمیت دی ہے، جہاں صفوں کی درستگی کے دوران فرمایا کہ میرے قریب اہل علم و فضل ہوں۔

حاملِ قرآن سے کیا مراد ہے؟

ملا علی قاری ھروی مرقات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں کہ حاملِ قرآن سے مراد

وَإِكْرَامُ قَارِئِهِ وَحَافِظِهِ وَمُفَسِّرِهِ

یعنی قرآن پڑھنے والے کی عزت کرنا، اس کے حافظ کی عزت کرنا اور اس کی تفسیر کرنے والے کی عزت کرنا مراد ہے۔

علامہ مناوی قاھری رحمۃ اللہ علیہ جامع الصغیر کی شرح التیسیر میں فرماتے ہیں کہ حاملِ قرآن سے مراد حافظِ قرآن ہے، اور فیض القدیر میں علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حاملِ قرآن سے مراد قاریٔ قرآن ہے۔

ابن یوسف زرقانی مصری رحمۃ اللہ علیہ موطا امام مالک کی شرح زرقانی میں لکھتے ہیں کہ حاملِ قرآن سے مراد قرآن پر عمل کرنے والا ہے۔

اہل مراتب کے مرتبے کا خیال رکھنا ضروری ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُنَزِّلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ (مسلم)

ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے مرتبے پر اتاریں، باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر علم والے پر ایک علم والا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کا جو مرتبہ اور مقام ہے اسی میں ان کو رکھنا چاہیے، جس کو اللہ نے اونچا اور بلند مرتبہ دے رکھا ہے اسے اس سے کم درجہ نہ دیا جائے، کسی کو اس کے مرتبے سے نیچے نہ گرایا جائے، پست لوگوں کو بلند مرتبے پر نہ لیجایا جائے، مجالس و محافل میں، قیام اور جلوس میں، مکاتبت اور مراسلت میں جس کو اللہ نے جو مقام دے رکھا ہے اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

پھر یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ لوگ دو قسم پر ہیں، لوگوں کی ایک قسم وہ ہے جن کے لیے خاص حق ہے، جیسے ماں باپ ہیں، اولاد ہے، قریبی رشتہ دار ہیں، پڑوسی ہیں، ساتھی ہیں، علماء ہیں، احسان کرنے والے لوگ ہیں، ان سب لوگوں کے ساتھ ان کے احسان کے مطابق ان کے حقوق کا خیال رکھا جائے، چاہے وہ عام ہوں یا خاص ان لوگوں کے مرتبے اور مقام کا اسی قدر خیال رکھنا چاہیے، شرعی اور عرفی جو بھی حقوق ہیں ان کا خیال رکھنا چاہیے، ان کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنی چاہیے، احسان کرنا چاہیے، عزت و اکرام کرنا چاہیے، وفاداری اور غمخواری کرنی چاہیے یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں سے بہر حال ان حقوق کے باعث ایک ممتاز مقام اور حیثیت رکھتے ہیں۔

لوگوں کی دوسری قسم وہ ہے جو کسی خاص حق کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، ان کے لیے صرف ایک حق ہے اور وہ حق اسلام اور انسانیت کا حق ہے، ان لوگوں کا حق مشترک ہے، اس لیے ان لوگوں کو ایذا، تکلیف، دکھ نہ دیا جائے، گفتگو ایسی نہ کی جائے جو انہیں تکلیف دے، کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے انہیں دکھ یا صدمہ پہنچے، مسلمانوں کے لیے خیر کی وہ چیز محبوب رکھی جائے جو اپنے لیے پسند کی جاتی ہے، ان کے لیے شر کی اس چیز کو ناپسند کیا جائے جو اپنے لیے ناپسند کی جاتی ہے، بلکہ اہل علم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انسانوں کو تکلیف دینے والی تمام قسموں سے بچنا ضروری ہے، جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ نیکی اور احسان ہی کرے۔

جہاں تک مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا تعلق ہے اس میں یہ چیز شامل ہے کہ ان کے مرتبے اور مقام کے مطابق ان سے معاملہ کرے، اگر اپنے سے کوئی بڑا ہے تو اس کی عزت اور اکرام کرے، اگر اپنے سے کوئی چھوٹا ہے تو اس کے ساتھ مہربانی، شفقت، نرمی کے ساتھ پیش آئے، جو بھی اس کے مناسب حال ہو اسی کے مطابق سلوک کرے، پھر وہ لوگ جن کے ساتھ محبت کا معاملہ ہے ان میں ماں ہے، جس کا ایک خاص حق

ہے ،اسی طرح بیوی ہے اس کے لیے دوسرا حق ہے، پھر جو لوگ کسی پر اعتماد کرتے اور وثوق رکھتے ہیں انہی کے ساتھ معاملہ کیا جائے ، جن لوگوں کو اعتماد نہیں ہے ان کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے، حکمرانوں اور ارباب سیاست کے ساتھ نرم لب و لہجے سے بات کی جائے ،ان کے مرتبے اور مقام کا خیال رکھا جائے ،اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو انہیں ہدایت کی کہ وہ سرکش ہو گیا ہے اس کے ساتھ نرم لب و لہجے میں بات کرنی ہے۔ ہو سکتا ہے اس سے وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔

علماء کرام کے ساتھ عزت ،توقیر اور اکرام کے انداز میں معاملہ کیا جائے ،ان سے سیکھنے والا انداز اختیار کیا جائے ،ان سے تواضع اور عاجزی سے بات کی جائے ،ان کے پاس نفع دینے والا علم ہے ،ان کے پاس دعاؤں کی کثرت ہے ،اس لیے ان ساری چیزوں کی خاطر ان کے سامنے محتاجی اور افتقار کا انداز اختیار کیا جائے ،ایسا عمومی حالات میں کیا جائے، لیکن جب ان سے علم حاصل کیا جا رہا ہوں ،فتویٰ لیا جا رہا ہو تو عاجزی خصوصی طور پر اختیار کی جائے۔

اسی طرح چھوٹے لوگوں کا معاملہ ہے ،انہیں نیکی کا حکم دیتا رہے ،انہیں شر اور شرارت سے روکتا رہے ،اس میں نرمی اور ترغیب کا پہلو مد نظر رکھے ،انہیں خیر اور بھلائی کی طرف توجہ دلانے کے لیے اپنی بساط اور ہمت کے مطابق جو کچھ کر سکتا ہے وہ کرے، سختی اور ترشی چاہے وہ قولی ہو یا فعلی اس سے گریز کرے ،اسی لیے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کی تلقین کرو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر سزا دو، نبی کریم ﷺ نے مؤلفۃ القلوب کی دلجوئی اسی طرح فرمائی تھی، انہیں دنیوی مال و منال سے نوازا تھا،اسی طرح بیوی، چھوٹی اولاد کو مخاطب کرتے ہوئے اس انداز میں بات کی جائے جو ان کے مناسب ہو، جس سے ان میں خوشی اور مسرت کی ایک لہر دوڑ جائے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر ائمہ نے علماء کرام کو اولیاء اللہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر علماء کرام اولیاء اللہ نہیں ہیں تو پھر کوئی بھی اللہ کا ولی نہیں ہے، نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے ولی سے دشمنی رکھے گا اسے میرا اعلان جنگ ہے۔

علامہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کو یہ شان عطا فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جس طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے، علماء کا گوشت زہریلا ہوتا ہے جو شخص ان کے قتل کے درپے ہوتا ہے اللہ اس کا پردہ چاک کر دیتے ہیں، جو شخص علماء کے بارے میں اپنی زبان لمبی کرے گا اللہ اسے مرنے سے پہلے امتحان وآزمائش میں ڈال دیں گے، اس لیے جو لوگ اللہ کے اوامر کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس آزمائش سے بچیں اور ڈریں کہ کہیں اللہ انہیں دردناک عذاب میں مبتلا نہ کر دے۔

قاریٔ قرآن اور طالبِ قرآن کے آداب

قرآن کریم پڑھنے والے کے لیے یہ بات بہت ہی ضروری ہے کہ وہ تلاوتِ قرآن سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ اور نیت کرے، چونکہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں اخلاص کو بڑی اہمیت حاصل ہے، خلوص نیت کی قدر کی جاتی ہے، اخلاص پر آیات اور احادیث کا ایک خاصہ ذخیرہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (٥)البینہ

اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت کریں (اور) یکسو ہو کر اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور یہی سچا دین ہے۔

اخلاص اور نیک نیتی کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف امت محمدیہ کو نہیں بلکہ اس سے پہلے اہل کتاب کو بھی یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی عبادتیں مخلصانہ

طور پر ادا کریں ، اطاعت اور پیروی خالص اللہ کے لیے کریں ، نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں ، بلکہ یہ ان اہل کتاب ہی کی خاصیت نہیں ہے بلکہ ہر ملت کو اخلاص کے ساتھ بندگی بجالانے کا حکم دیا گیا، تمام آسمانی کتابوں میں یہی حکم دیا گیا کہ اپنی نیتوں اور اعمال کو خالص رکھو، امت محمدیہ کے لیے شریعت محمدیہ میں ان میں سے بعض احکامات کو باقی رکھا گیا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جس طرح انہیں خالص نیت رکھنے کا حکم دیا گیا اسی طرح اس امت کو بھی اپنی عبادات میں نیتیں خالص رکھنے کا حکم ہے، نیت کی درستگی کے ساتھ معمولی سا عمل بھی معمولی نہیں رہتا بلکہ اسے ایک درجہ بڑائی مل جاتی ہے۔

نیتوں کی اصلاح

نبی کریم ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو تعلیم دی کہ وہ اپنی نیتوں کو ٹھیک رکھیں، اس لیے کہ ان کے اعمال کا دار و مدار ان کی نیتوں پر ہے، جس حدیث شریف میں نیت کی درستگی کی تلقین کی گئی ہے اسے اصول اسلام میں سے مانا گیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق انسان کو اس کی نیت کے بقدر دیا جاتا ہے۔

ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات منقول ہے کہ اخلاص نیت کو خالص اللہ ہی کے لیے کرنے کا نام ہے ،وہ نیکی اس لیے کرے تاکہ اسے اللہ کا قرب مل جائے ، کسی اور چیز کا دل میں خیال نہ لائے، مخلوق کے لیے تصنع اور بناوٹ سے کام نہ لے، لوگوں سے تعریف وستائش کی آرزو نہ رکھے، اس لیے کام نہ کرے کہ لوگ مجھے محبوب بنالیں یا میری تعریف کریں، اللہ کے قرب کے علاوہ کسی اور چیز کی نیت نہ کرے۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اخلاص اس چیز کا نام ہے کہ انسان اللہ کے لیے کوئی عمل کرتے ہوئے مخلوق کا خیال دل میں نہ لائے۔

حذیفہ مرعشیؒ کہتے ہیں کہ اخلاص بندے کے ظاہری اور باطنی اعمال کی یکسانیت کا نام ہے

اخلاص کی تین نشانیاں

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں اخلاص کی نشانیاں ہیں،

① ایک یہ کہ عام لوگوں کی تعریف اور مذمت آدمی کے ہاں یکساں ہو جائے، تعریف وستائش سے خوش نہ ہو اور برائی و مذمت کرنے پر غمگیں نہ ہو۔

② دوسرا تمام اعمال میں اپنے عمل کو بھول جائے کہ میں نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا۔

③ تیسرا یہ کہ اعمال کے ثواب کی آخرت میں امید رکھے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

لوگوں کے لیے عمل کا چھوڑ دینا دکھلاوا ہے، اور لوگوں کے لیے عمل کرنا یہ شرک ہے، اخلاص اس چیز کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان دونوں باتوں سے بچائے رکھے۔

حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دانا لوگوں کی اخلاص کی تفسیر میں نظر ہوتی ہے کہ وہ اس کے علاوہ کسی چیز کو نہیں دیکھتے، وہ یہ ہے کہ انسان کی حرکت و سکون، اس کا پوشیدہ اور اعلانیہ سب اللہ ہی کے لیے ہو جائے، وہ نفسانی اور دنیوی خواہشات کو اس کے ساتھ نہ ملائے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے لیے کوئی کام نہ کرے، نہ ان کے لیے کوئی کام چھوڑے، نہ ان کے لیے کوئی چیز دے، نہ ان کے لیے کوئی چیز کھولے۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سچا شخص وہ ہوتا ہے جو اپنے دل کی درستگی کی فکر میں مخلوقات کی نگاہوں سے گر جانے کی پرواہ نہ کرے، اپنے اچھے عمل کو ذرہ برابر اچھا نہ سمجھے، نہ ہی اسے دوسروں کے بڑے بڑے اعمال سے ناپسندیدگی پیدا ہو، برا سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان میں زیادتی کو پسند کرتا ہے اور سچے لوگوں کے شایانِ شان یہ بات نہیں ہے، بندہ جب سچائی ہی تلاش کرے گا تو اللہ اس کو روشن ضمیری عطا فرمائے گا، جس سے وہ عجائبات و مشاہدات دین و دنیا ملاحظہ کرے گا (التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

علامہ ابو یحیٰ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "التبیان فی آداب حملۃ القرآن "اور "شرح المھذب "میں فرمایا کہ قرآن مجید پڑھانے میں ہمیشہ اس بات کا خیال رہے کہ اس سے مقصود دنیا نہ ہو، مقصود ریاست اور منصب نہ ہو، اپنے معاصرین پر برتری اور لوگوں کے ہاں سے تعریف وستائش کا متمنی نہ ہو، یا اس علم کی وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا نہ ہو، پڑھانے والا مال ودولت کے حصول کے لیے چاپلوسی نہ کرے اگرچہ کم درجہ کی ہی ہو، ہاں اگر پڑھانے والے معلم کو ہدیہ کے طور پر کچھ پیش کیا جائے تو اسے سوچنا چاہیے کہ اگر ہم نہ بھی پڑھاتے تو ہمیں یہ ہدیہ ملتا اس لیے اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھے۔

دنیوی غرض اور مقاصد کے لیے کوئی بھی قدم استاذ کے لیے نقصان دہ ہے، اس سے دنیا بھی ہاتھ نہیں آتی الٹا اپنی آخرت بھی برباد کر بیٹھتا ہے، اللہ آخرت کے متلاشیوں کے لیے ان کی آخرت کو ٹھیک کردے گا، دنیا کے متلاشیوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے

{مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الآخِرَةِ نزدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ} [الشُّورَى:٢٠]

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا ہی میں سے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

{مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ(سورة الاسراء ١٨)

جو دنیا چاہتا ہے ہم اسے جتنا چاہیں دنیا میں دیں گے۔

اسی طرح قرآن اور احادیث کی بہت سی نصوص یہ بتاتی ہیں کہ دنیوی اغراض ومقاصد کے لیے علم حاصل کرنا مذموم عمل ہے، اس کی کسی طور پر بھی ستائش نہیں کی جاسکتی، نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کے لیے فرمایا کہ وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے

گا، جو دنیوی اغراض کے لیے علم حاصل کرتا ہے، ایک روایت میں ریاکاری کے لیے علم حاصل کرنے والے کے لیے فرمایا گیا کہ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(سنن ابی داؤد،سنن ابن ماجه)

جس شخص نے علم حاصل کیا اس طرح کہ جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے اس نے اس طرح نہیں سیکھا بلکہ اس لیے علم حاصل کیا کہ اس سے دنیا حاصل ہو، ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ، أَوْ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْ لِيَصْرِفَ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ، فَهُوَ فِي النَّارِ(سنن ابن ماجه)

جو شخص اس لیے علم حاصل کرے کہ اس کے ذریعے بے وقوف لوگوں سے جھگڑا کرے یا اس کے ذریعے علماء سے فخر کرے، یا اس کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے، ایک روایت میں ہے کہ اسے دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

سنن ابن ماجہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوا بِهِ الْعُلَمَاءَ، وَلَا لِتُمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءَ، وَلَا تَخَيَّرُوا بِهِ الْمَجَالِسَ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَالنَّارُ النَّارُ(سنن ابن ماجه)

علم اس لیے نہ سیکھو کہ اس کے ذریعے علماء سے فخر کروگے اور اس لیے بھی نہ سیکھو کہ اس کے ذریعے بے وقوفوں سے جھگڑا کرو اور اس لیے بھی نہ سیکھو کہ بہترین مجالس میں جا بیٹھو، جس نے اس وجہ سے علم حاصل کیا وہ دوزخ میں جائے گا، وہ دوزخ میں جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أُمَّتِي سَيَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ، وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، وَيَقُولُونَ: نَأْتِي الْأُمَرَاءَ فَنُصِيبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ، وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِينِنَا، وَلَا يَكُونُ ذَلِكَ، كَمَا لَا يُجْتَنَى مِنَ الْقَتَادِ إِلَّا الشَّوْكُ، (سنن ابن ماجہ)

بے شک کچھ لوگ میری امت میں دین سیکھنے کے دعویدار ہوں گے، وہ قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم حکمرانوں کے پاس جاتے ہیں، پھر ان سے ان کی دنیا میں سے حصہ حاصل کریں گے اور اپنے دین کے ذریعے انہیں معزول کریں گے، لیکن ایسا ہوگا نہیں، جیسے کسی کانٹے دار درخت سے کانٹے کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

غم کے کنویں سے پناہ مانگنے کا حکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ: «وَادٍ فِي جَهَنَّمَ، يُتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ أَرْبَعَمِائَةِ مَرَّةٍ» ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ يَدْخُلُهُ؟ قَالَ «أُعِدَّ لِلْقُرَّاءِ الْمُرَائِينَ بِأَعْمَالِهِمْ، وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِ الْقُرَّاءِ إِلَى اللَّهِ الَّذِينَ يَزُورُونَ الْأُمَرَاءَ

غم کے کنویں سے پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ! یہ غم کا کنواں کیا ہے ؟آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم میں ایسی وادی ہے جس سے جہنم روزانہ چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ !اس میں کون لوگ داخل ہوں گے ؟آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وادی قرآن کے ان قاریوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اپنے اعمال میں دکھلاوا کرتے ہیں، قرآن کے قاریوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ قاری ہیں جو حکمرانوں کے پاس جاتے ہیں۔(سنن ابن ماجہ، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ)

غیر اللہ کے لیے علم حاصل کرنے کا انجام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللَّهِ، أَوْ أَرَادَ بِهِ غَيْرَ اللَّهِ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

جس نے علم حاصل کیا غیر اللہ کے لیے یا جس نے علم کے ذریعے غیر اللہ کا ارادہ کیا پس اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔(سنن ابن ماجہ)

یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ دنیا میں دن رات ایک کام کے لیے انسان مصروف رہے ، اس کا بہتر نتیجہ ملنے کی بجائے دوزخ کا ٹھکانہ مقدر بن جائے ،اس لیے اس کی رضا چاہیے۔

اہل علم قیادت کب کر سکتے ہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ، وَوَضَعُوهُ عِنْدَ أَهْلِهِ، لَسَادُوا بِهِ أَهْلَ زَمَانِهِمْ، وَلَكِنَّهُمْ بَذَلُوهُ لِأَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوا بِهِ مِنْ دُنْيَاهُمْ، فَهَانُوا عَلَيْهِمْ، سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هَمًّا وَاحِدًا، هَمَّ آخِرَتِهِ، كَفَاهُ اللَّهُ هَمَّ دُنْيَاهُ، وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ فِي أَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللَّهُ فِي أَيِّ أَوْدِيَتِهَا هَلَكَ

اگر اہل علم علم کی حفاظت کریں اور اسے علم والوں کے پاس ہی رکھیں تو اپنے زمانے کے لوگوں کی قیادت کریں، لیکن یہ لوگ علم کو دنیا والوں کے لیے خرچ کرتے ہیں تا کہ اس کے ذریعے ان سے دنیا حاصل کریں، تو وہ لوگ ان کی اہانت کریں گے ، میں نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں جس شخص نے تمام غموں کو صرف ایک آخرت کا غم بنالیا اللہ اس کو دنیا کے غم سے چھٹکارہ دیں گے اور جس نے دنیا کے حالات میں اپنے غموں کو بکھیر لیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ کس وادی میں گر کر ہلاک ہوتا ہے۔(سنن ابن ماجہ)

ہم جب اپنے اسلاف اور اکابر کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان روایات پر کس قدر عمل پیرا تھے ،قرآن اور احادیث کے مطابق ان کی زندگیاں گزرتی تھیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاص

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ابو یحیٰ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرح

المھذب میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

وَدِدْتُ أَنَّ الْخَلْقَ تَعَلَّمُوا هَذَا الْعِلْمَ عَلَى أَنْ لَا يُنْسَبَ إِلَيَّ حَرْفٌ مِنْهُ: وَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى مَا نَاظَرْتُ أَحَدًا قَطُّ عَلَى الْغَلَبَةِ وَوَدِدْتُ إِذَا نَاظَرْتُ أَحَدًا أَنْ يَظْهَرَ الْحَقُّ عَلَى يَدَيْهِ: وَقَالَ مَا كَلَّمْتُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا وَدِدْتُ أَنْ يُوَفَّقَ وَيُسَدَّدَ وَيُعَانَ وَيَكُونَ عَلَيْهِ رِعَايَةٌ مِنَ اللَّهِ وَحِفْظٌ (شرح المهذب ج۱ص۲۸)

میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ لوگ یہ علم سیکھیں اس شرط پر کہ وہ اس علم میں سے ایک حرف بھی میری طرف منسوب نہ کریں، آپؒ نے فرمایا: میں نے کبھی کسی سے مناظرہ غالب ہونے کے لیے نہیں کیا بلکہ مناظرے سے میری خواہش مدمقابل کے سامنے حق ظاہر ہونے کی رہی، میں نے کبھی کسی سے بات نہیں کی مگر میری خواہش یہ رہی کہ اس کی موافقت کی جائے، اس کی درستگی کی جائے، اس کی مدد کی جائے اور اس پر اللہ کی طرف سے نگہبانی اور حفاظت کی جائے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاص

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

يَا قَوْمِ أَرِيدُوا بِعِلْمِكُمْ اللَّهَ فَإِنِّي لَمْ أَجْلِسْ مَجْلِسًا قَطُّ أَنْوِي فِيهِ أَنْ أَتَوَاضَعَ إِلَّا لَمْ أَقُمْ حَتَّى أَعْلُوَهُمْ وَلَمْ أَجْلِسْ مَجْلِسًا قَطُّ أَنْوِي فِيهِ أَنْ أَعْلُوَهُمْ إِلَّا لَمْ أَقُمْ حَتَّى أَفْتَضِحَ

اے میری قوم! اپنے علم سے اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ کرو، میں کبھی کسی مجلس میں اس لیے نہیں بیٹھا کہ وہاں میری تواضع کی جائے، کسی مجلس سے اس لیے نہیں اٹھا کہ میں ان سے بلند مرتبے کا مالک ہوں، میں کسی مجلس میں اس نیت سے نہیں بیٹھتا کہ میں ان میں بلند مرتبے کا مالک ہوں، اگر میں اس نیت سے بیٹھوں تو رسوا ہو جاؤں۔ (شرح المھذب)

قرآنی استاذ کے لیے ہدایات

استاذ کو چاہیے کہ وہ عمدہ اور بہترین خوبیوں سے اپنی عادات کو مزین کرے ،ایسے محاسن سے اپنے کو خوبصورت بنائے جو شریعت نے بتائے ہیں ،پھران کی ترغیب بھی دیتارہے ، عمدہ خصلتیں اپنائے ،پسندیدہ عادات اپنائے ،جواسے دنیامیں زہداختیار کرنے کی طرف راہنمائی کریں ،دنیوی چیزوں کو تھوڑاکرنے کی طرف متوجہ کریں ،اگر دنیوی چیزیں ختم ہوجاتی ہیں یاکم ہوجاتی ہیں توان کی کوئی پرواہ نہ کرے ،جودوسخاوت کی صفات اختیار کرے۔

عمدہ اخلاقیات سے مزین ہو،چہرے پریبوست، کرختگی کی بجائے بشاشت اور مسکراہٹ طاری رکھے ،مگر یہ مسکراہٹ اپنی حدود سے نکل کر کھلکھلانے ، قہقہے لگانے کی طرف نہ بڑھے ، حلم اور بردباری کی حدود سے نہ نکلے ، کمینگی سے بچارہے ، تقویٰ،ورع، خشوع،سکینہ ،وقار کے ساتھ رہے ،تواضع ،خضوع اختیار کرے۔

بہت زیادہ ہنسنے اور بہت زیادہ مزاح کرنے سے اجتناب کرے ، ظاہری اور باطنی شرعی آداب اختیار کرے ، نظافت ،صفائی اور ستھرائی کواپنی عادات وافعال میں شامل کرے ، میل کچیل دور کرے ، بغلوں کو صاف رکھے ،بدبودار چیزوں کو دور کرے ،داڑھی کو کنگھی کرے ،حسد ،دکھلاوے ، تکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنے سے گریز کرے ،اگرچہ وہ درجے میں اس سے چھوٹے ہوں ،اس لیے کہ یہ بیماریاں ہیں ،جن میں بہت سے کمینے لوگ بری طرح مبتلاہیں۔

حسد سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ یہ خوبی اس انسان میں موجودہو،اس لیے یہ آدمی اس پراعتراض کرے اورنہ اسے ناپسند کرے جواللہ کی حکمت ہے ،گناہوں سے بچنے کے لیے اللہ کی برائی نہ کرے۔

ریااور دکھلاوے سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس بات کو سمجھ لے کہ مخلوق اسے نفع دے سکتی اورنہ ہی نقصان دے سکتی ہے ،اس لیے انہیں دکھانے کا خیال نہ رکھے

،یوں وہ اپنے آپ کو تھکائے گا،اپنے دین کو نقصان پہنچائے گا،اپنے عمل کو برباد کرے گا،اللہ کی ناراضگی مول لے گا،اس کی رضا کھودے گا۔

تکبر کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان یہ بات سمجھے کہ علم اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے ہے، یہ اس کی طرف سے عاریۃً دیا گیا ہے، کیونکہ اللہ ہی کے لیے ہے وہ چیز جو اس نے دی اور جو اس نے واپس لے لی، ہر چیز اس کے ہاں ایک وقت مقرر تک کے لیے ہے ،اس لیے مناسب یہ ہے کہ کسی چیز میں تکبر نہ کرے، جو اس نے پیدا نہیں کی اور نہ ہی وہ اس کا مالک ہے اور نہ ہی اس بات کا اسے یقین ہے کہ یہ چیز اس کے پاس ہمیشہ رہے گی۔

دوسروں کو حقیر سمجھنے کی بیماری کو اس طرح دور کرے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ ادب سکھایا ہے کہ

فَلا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بمن اتقى

پس تم اپنی پاکی بیان نہ کرو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ متقی ہے۔اسی طرح فرمایا

اِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ

بے شک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔

کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان جس شخص کو اپنے سے کم تر سمجھتا ہے وہ اللہ کے ہاں بہت زیادہ تقویٰ والا اور دل کے اعتبار سے پاکیزہ ہوتا ہے،نیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ مخلص ہوتا ہے، عمل کے لحاظ سے سب سے زیادہ پاکیزہ ہوتا ہے، پھر اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ جو صورت حال ہے اس کا خاتمہ کیسا ہوگا، جیسے روایت میں ہے کہ تم میں کوئی شخص اہل جنت کا عمل کرتا رہتا ہے مگر بالآخر وہ دوسری طرف چلا جاتا ہے، اللہ ہمیں ہر بیماری سے محفوظ رکھے۔

استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ احادیث شریفہ میں بیان کیے گئے اوراد وظائف کو لازم رکھے، تسبیحات کرے یعنی سبحان اللہ کا ورد کرے، تہلیل کو لازم رکھے یعنی لاالہ الااللہ پڑھتا رہے، اسی طرح جو دوسرے اوراد واذکار روایات میں موجود ہیں ان کو اپنا وظیفہ بنائے، دعاؤں کا التزام واہتمام کرے، تمام شرعی آداب کا خیال رکھے، علانیہ اور پوشیدہ طور

پر مراقبہ کرے ،یعنی اللہ کو حاضر وناظر سمجھے کہ میرے ہر فعل و عمل کو اللہ دیکھ رہا ہے ،میری ہر ہر ادا سے وہ باخبر ہے،قرآن کریم کی تلاوت کرے اور اس میں اہتمام کرے ، دوام اور ہمیشگی میں برکات اتریں گی،نوافل،فرض نمازوں،روزے کا اہتمام کرے،ہر کام میں اللہ پر اعتماد اور بھروسہ رکھے،تمام حالات میں تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کرے۔

استاذ کو چاہیے کہ وہ علم کی اہمیت کو سمجھے ،اسے ذلیل نہ کرے،ایسی جگہ سکھانے کے لیے نہ جائے جہاں کی نسبت سیکھنے والے کی طرف ہو یعنی ٹیوشن سسٹم سے گریز کرے ،اگرچہ طالب علم خوب قدردان ہو،علم کی حفاظت بھی کرتا ہو جیسے ہمارے اسلاف اور اکابر اس کی حفاظت کرتے تھے ،ان حضرات کے اس بارے میں بہت سے واقعات موجود ہیں ،ہاں اگر ٹیوشن پڑھانے یا طالب علم کے ہاں جاکر تعلیم دینے میں کسی مصلحت کا تقاضا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے ، لیکن وہ ایسا اس وقت تک ہی کرے جب تک مصلحت کا تقاضا موجود ہے۔

اگر استاذ کوئی ایسا کام کرے جو حقیقت میں تو جائز ہو مگر اس کا ظاہر حرام یا مکروہ یا مروت کے خلاف دکھائی دے رہا ہو یا اس طرح کا کوئی ایسا کام ہو تو مناسب یہی ہے کہ اس بارے میں اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے اور ان لوگوں کو اطلاع دے جو اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں کہ اس کام کی حقیقت اور اصل کیا ہے ؟تاکہ وہ اس سے نفع اٹھائیں ورنہ وہ بدگمانی کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے ، وہ اس سے بھاگ جائیں گے اور اس کے عمل سے فائدہ اٹھانے کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے ، نبی کریم ﷺ کے ایک عمل سے بھی ایسا ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنی ایک بیوی کے پاس کھڑے تھے تو لوگوں کو اس کے بارے میں آگاہ کیا۔

استاذ کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ ہمیشہ ہی پڑھنے ،پڑھانے میں محنت سے کام لے ، مطالعہ ،تعلیقات ،مباحثات ،مذاکرات اور تصنیفات میں مشغول رہے،اپنے سے عمر میں کم ، نسب میں کم ،شہرت میں کم ،دین کے لحاظ سے کمزور یا کسی دوسرے علم میں مشغول رہنے

والے سے سیکھنے میں عار اور شرم محسوس نہ کرے، بلکہ یہ دیکھے کہ اسے اس سے کس قدر فائدہ ہو سکتا ہے، اگرچہ وہ اس سے ان تمام باتوں میں کم ہی ہو، سوال کرنے میں حیا نہ کرے، شرم محسوس نہ کرے، جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوال کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے تو آج علم اور دین مکمل صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متکبر اور شرم محسوس کرنے والا بندہ علم حاصل نہیں کر سکتا، حدیث شریف میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں

نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءَ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ

انصار کی عورتیں بہترین عورتیں ہیں، انہیں دین سیکھنے میں شرم محسوس نہیں ہوتی۔

علم برابر حاصل کرتے رہنا چاہیے، کبھی تھک ہار کر بیٹھ نہیں جانا چاہیے، کبھی علم کے حصول سے مستغنی اور بے نیاز ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "آدمی نے جو کچھ سیکھا ہے اسے یاد رکھے، جب اس نے علم حاصل کرنا چھوڑ دیا اور یہ خیال کیا کہ اسے اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی اور جو کچھ اس کے پاس علم میں سے ہے اسے ہی کافی سمجھ بیٹھا تو وہ پرلے درجے کا جاہل رہے گا۔

جس کے پاس کوئی اونچا منصب ہو تو اس کا یہ منصب، اس کی شہرت کسی غیر معروف آدمی سے فائدہ حاصل کرنے سے اسے نہ روکے، بہت سے اکابر اور اسلاف کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں سے ان چیزوں کا استفادہ کیا جن کا انہیں علم نہیں تھا، یہ بات درست ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے تابعین سے روایت کی ہے، اسی طرح تابعین کی ایک جماعت نے تبع تابعین سے روایت کی ہے، حضرت عمرو بن شعیب تابعی رحمۃ اللہ علیہ نہیں تھے مگر ان سے ستر سے زائد تابعین نے روایت کی ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی اور فرمایا کہ

أَمَرَنِي اللَّهُ أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ (شرح المهذب مؤلفه الشيخ شرف الدين نووی)

مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں تیرے سامنے اللہ کی کتاب کی تلاوت کروں۔

استاذ کے لیے اخلاص کی ضرورت

قرآن کریم پڑھانے والے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ کام کرے، طالب علموں کی کثرت اور مختلف ٹولیوں کا متمنی نہ ہو،تاکہ ان سے دنیوی فائدہ حاصل ہو، اسی طرح استاذِ قرآن کو اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ کوئی دوسرا شخص بھی قرآنی خدمت بجالارہاہے ،دوسروں کو اس کام میں مصروف و مشغول دیکھ کر پریشان نہ ہو،مغموم نہ ہو، دوسرے مدارس میں پڑھنے والے طلباء کے لیے بھی خیر خواہی کے جذبات رکھے،دوسرے مدارس میں پڑھنے والے طلباء کی تعداد کے باعث چین بہ جبیں نہ ہو۔

اکثر جاہل اساتذہ کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی دوسرے استاذ کے پاس یا کسی دوسرے مدرسے میں طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھتے ہیں تو حسد کی آگ میں جلنے لگتے ہیں، پھر وہ اس مدرسے اور اس استاذ کی غلطیاں عام لوگوں میں یا اپنے طالب علموں اور شاگردوں میں گنواتے ہیں تاکہ لوگوں اور طالب علموں میں اس کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوں۔

ان کی طرف طالب علموں کا رجحان نہ رہے ،یہیں سے ان لوگوں کی نیتوں کے خلوص کا پتا چلتا ہے کہ یہ لوگ قرآن سے کس قدر مخلص ہیں ،انہیں قرآن کی اشاعت و ترویج کی کس قدر فکر ہے،ان کے ہاں مقصود دین کی اشاعت اور قرآن کی خدمت نہیں ہوتی بلکہ وہ شہرت کے پجاری اور دکھلاوے کے مارے ہوئے ہیں۔

ان لوگوں کی اصلاح کی ضرورت ہے،انہیں کسی مرشد کامل کی ضرورت ہے،جو ان کے دلوں سے کھوٹ ،کدورت ،حسد اور اخلاقی برائیوں کو نہ صرف دھوڈالے بلکہ مانجھا مار کر کھرچ ڈالے ،انہی لوگوں کی وجہ سے آج دینی طبقہ بدنام ہو رہاہے ،انہی کے کرتوت دیکھ دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کے ساتھ تعلق رکھنے والے یہ مولوی

اور قاری سب ایک جیسے ہوتے ہیں ،حالانکہ اس طبقہ میں ایسے عظیم لوگ بھی ہیں جو دوسروں کے پاس طالب علموں کی تعداد دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

دوسرے مدارس میں طالب علموں کی چہل پہل سے ان کا ایمان بڑھتا اور ایمانی جذبات کو تقویت ملتی ہے ،وہ اللھم زد فزد کہتے رہتے ہیں ،وہ کبھی بھی ان باتوں پر اپنا وقت ضائع نہیں کرتے بلکہ وہ اس وقت کو قیمتی بناتے ہیں اور دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

ان کے ارد گرد کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ انہیں سمجھائیں کہ قرآن کریم کی جو بھی جس بھی شکل میں خدمت کر رہا ہے وہ خوش نصیب ہے ،وہ مقدر کا سکندر ہے ،وہ اللہ کا چنا ہوا ہے ، جسے اللہ نے اپنی کتاب کی خدمت اور اپنے کلام کی اشاعت کی توفیق بخشی ہے ،اس لیے قرآن کریم پڑھانے والے اساتذہ کو ہر صورت میں خوش و خرم رہنا چاہیے کہ اللہ ان سے اپنی چاہت اور منشاء کے مطابق دین کی خدمت لے رہا ہے ،دوسروں کو بھی اللہ نے اس کام کے لیے چنا ہوا ہے۔

علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اکثر جاہل معلموں کا طریقہ ہوتا ہے ،ان سے ان کی نیتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ مقصد دین نہیں ہے بلکہ دنیوی شہرت وغیرہ ہے ،اس سے بچنا چاہیے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے یہ کام ہوتا تو ہرگز اس کو تکلیف نہ ہوتی اور وہ اپنے دل کو سمجھالیتا کہ مقصد اللہ کی رضامندی ہے ،سو اس صورت میں وہ ہو رہی ہے اور دوسرا بھی وہی کام کر رہا ہے اور قرآن کریم کا علم پڑھا رہا ہے۔(التبیان)

علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا سنن الدارمی میں بڑا ہی خوبصورت ارشاد ہے ، فرمایا:

يَا حَمَلَةَ الْعِلْمِ اعْمَلُوا بِهِ، فَإِنَّمَا الْعَالِمُ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَوَافَقَ عِلْمُهُ عَمَلَهُ، وَسَيَكُونُ أَقْوَامٌ يَحْمِلُونَ الْعِلْمَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يُخَالِفُ عَمَلُهُمْ عِلْمَهُمْ، وَتُخَالِفُ سَرِيرَتُهُمْ عَلَانِيَتَهُمْ، يَجْلِسُونَ حِلَقًا فَيُبَاهِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا، حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضَبُ

عَلَى جَلِيسِهِ أَنْ يَجْلِسَ إِلَى غَيْرِهِ وَيَدَعَهُ، أُولَئِكَ لَا تَصْعَدُ أَعْمَالُهُمْ فِي مَجَالِسِهِمْ، تِلْكَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى (سنن الدارمی ج۱ص ۳۸۲)

اے علم کے حاملین! اپنے علم پر عمل کرو، اس لیے کہ عالم وہ شخص ہے جو اپنے سیکھے ہوئے پر عمل کرے، اور اس کا علم اس کے عمل کی مطابقت کرے، عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جن کے پاس علم ہوگا جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اترا ہوگا، ان کا علم ان کے عمل کی مخالفت کرے گا، ان کا باطن ان کے ظاہر کے خلاف ہوگا، وہ ایسے حلقوں میں بیٹھیں گے کہ ان میں سے بعض بعض پر فخر ومباہات کریں گے، یہاں تک کہ ان میں کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے والے پر اس لیے غصے میں ہوگا کہ وہ دوسری جگہ بیٹھا ہوگا، اس لیے وہ اس کو چھوڑ دیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں پہنچیں گے، اور نہ ہی قبول ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہمارے زمانے کے لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے، جہاں مسلکوں اور فرقوں کی بنیاد پر نفرتیں عام ہیں، اپنے ہی ہم مکتب لوگوں کے مرتبے اور مقام کو لوگوں کے سامنے گرانے کے لیے ان کی عیب جوئی کرتے ہیں، ان کے خلاف پروپیگنڈے کرتے ہیں، ان کی پوشیدہ باتیں عام کرتے ہیں، ان کے رازہائے سربستہ سرعام طشت از بام کرتے ہیں، ان کا یہ وہم باطل ہوتا ہے کہ ہم اپنا قد و کاٹھ تب ہی بڑھا سکیں گے جب دوسروں کی عیب جوئی کریں گے، حالانکہ گنبد خضریٰ کے مکین، آقائے نامدار، تاجدار مدینہ، مراد المشتاقین، راحۃ للعاشقین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو دوسروں کو گرانے کے لیے گڑھا کھودے گا وہ اس میں خود ہی گر مرے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جن لوگوں نے مجھ سے سیکھا ہے یا پڑھا ہے وہ ایک حرف بھی میری طرف منسوب نہ کریں، اگر وہ مجھ سے سیکھے ہوئے علم کی میری طرف نسبت نہیں کریں تو مجھے کسی قسم کا غم نہیں ہوگا۔

اس سے ان حضرات کے علم و فضل کے ساتھ خلوص اور للہیت کا پتا چلتا ہے ،ان کی نیتیں خالص تھیں ان کا علم خالص تھا،ان کا عمل خالص تھا،وہ اللہ کے لیے سیکھتے اور سکھاتے تھے وہ اللہ کے لیے پڑھتے اور پڑھاتے تھے ، وہ دنیا اللہ کے لیے گزارتے اور آخرت کی دائمی زندگی میں راحت وآرام کے مشتاق اور متمنی تھے۔

استاذ اور طالب علم

طالب علم کے ساتھ استاذ کو نرمی کرنی چاہیے ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی کرتے ہوئے مرحبا مرحبا کہا کرتے تھے ، حضرت ابوہارون عبدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے

مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس کے بعد فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے

إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ، وَإِنَّهُمْ سَيَأْتُونَكُمْ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ يَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ، فَإِذَا جَاءُوكُمْ فَاسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا(سنن ابن ماجه ،باب الوصايا**بطلبة** العلم)

بے شک لوگ تمہارے پیروکار ہیں ،بہت سے لوگ روئے زمین سے آئیں گے ، اور تم سے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں گے ،پھر جب وہ آئیں تو ان سے بھلائی کرنا اور انہیں دین کی تعلیم دینا یہ میری وصیت ہے۔

اس زمانے میں جب اقطار واطراف عالم سے طالب علموں کا کسی مرکز کی طرف رجحان نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا کہ ایک وقت آئے گا اس دین کی پیاسی دنیا دور دراز سے علمی پیاس بجھانے علمی کنوؤں کے پاس آئے گی ،جب وہ لوگ علمی پیاس بجھانے کے لیے تمہارے پاس آئیں تو تم ان کا استقبال بھی کرنا،ان کو ان کے مرتبے کے مطابق مناسب مقام دینا،ان کو علمی فائدہ کے ساتھ ساتھ خیر اور بھلائی کی باتیں بھی بتاتے رہنا،پھر جب مدینہ شریف میں مسجد نبوی کے پاس صفہ میں طالب علموں کی درسگاہ قائم ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی لحاظ سے ایسا کر کے دکھایا جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصیت فرماتے

تھے، ان میں کالے، گورے، عربی اور عجمی کا فرق مٹادیا گیا تھا، ان کی رہائش اور ان کی خوراک کا اہتمام کیا گیا تھا، ان کی علمی پیاس کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی غذا کا بھی خیال رکھا جاتا تھا، ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت بھی کی جاتی تھی۔

ایک مقام پر آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دین سراسر نصیحت کا نام ہے، تو یہ کس کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے نصیحت ہے اور عام مسلمانوں کے لیے نصیحت ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ طالب علموں کی عزت کی جائے، ان کو اس دین کے مصالح سے آگاہ کیا جائے ان کے ساتھ نرم روی کی جائے۔

ان کے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش آیا جائے، علم دین حاصل کرنے میں ان کی ہمنوائی کی جائے تاکہ اس کی دلجوئی ہوتی رہے، استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے طالب علم کو علم کے حصول کی طرف ترغیب دیتا رہے، علم دین کی فضیلت بیان کرتا رہے، اس سے طالب علم میں شوق پیدا ہوگا، دلچسپی سے اپنا سبق یاد کرے گا، طالب علم کو سمجھایا جائے کہ وہ علم دین کے حصول کو بوجھ نہ سمجھے، دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا ذکر کرتا رہے تاکہ طالب علم کے دل سے حب دنیا نکل جائے اور دنیا کی بے رغبتی پیدا ہو، استاذ کو چاہیے کہ وہ اپنے شاگردوں کے سامنے قرآن کریم سیکھنے کی فضیلت بیان کرتا رہے، دینی علوم شرعیہ کو حاصل کرنے پر زور دیتا رہے، جیسا کہ امت کے نیکوکار لوگوں کا طریقہ کار رہا ہے۔

استاذ کے اخلاقیات میں سے یہ بات ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھے، جو کچھ اپنے لیے پسند کرے ان کے لیے بھی وہی پسند کرے، اپنے شاگرد کے ساتھ اسی شفقت کے ساتھ پیش آئے جس طرح اپنی اولاد کے ساتھ پیش آئے، طالب علموں کی غلطیوں، کوتاہیوں اور بے ادبیوں پر رنجیدہ اور دل برداشتہ نہ ہو، اپنی پوری پوری کوشش کرے کہ وہ ایک اچھا طالب علم بنے، باادب طالب علم بنے، بااخلاق طالب علم بنے،

بہر حال انسان چونکہ کمزور ہے، نقائص اور عیوب اس میں پائے جاتے ہیں، کم عمر بچے تو ان بے ادبیوں کی پرواہ نہیں کرتے ،انہیں ان کے نفع اور نقصان کا علم نہیں ہے ،اس لیے استاذ جس طرح اپنے لیے بھلائی کو پسند کرتا ہے اپنے شاگردوں کے لیے بھی وہی کچھ پسند کرے، جن چیزوں سے اسے نفرت ہو طالب علم سے بھی انہیں دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے، نبی کریم ﷺ نے کامل ایمان والے کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ دوسروں کے لیے بھی ایسی چیز پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے، ارشاد نبوی ہے

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ(صحيحين)

حضرت عبداللہ بن عباس سے فرماتے ہیں کہ

أَكْرَمُ النَّاسِ عَلَيَّ جَلِيسِي الَّذِي يَتَخَطَّى النَّاسَ حَتَّى يَجْلِسَ إِلَيَّ لَوْ اسْتَطَعْتُ أَلَّا يَقَعَ الذُّبَابُ عَلَى وَجْهِهِ لَفَعَلْتُ(شرح المهذب ج۱ص۳۱)

میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ قابل احترام وہ طالب علم ہے جو لوگوں سے گزر کر مجھ تک پہنچتا ہے، اگر میں اس کی طاقت رکھتا کہ اس کے چہرے پر مکھی نہ بیٹھے جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے تو میں ضرور ایسا کرتا۔

ایک روایت میں یہاں تک ہے کہ اگر اس کے منہ پر مکھی بیٹھتی ہے تو وہ مجھے تکلیف دیتی ہے۔

استاذ کے اخلاقیات میں سے یہ بھی ہونا ضروری ہے کہ وہ اپنا علمی رعب اور دبدبہ طالب علموں پر نہ ڈالے، بلکہ نرمی، پیار اور عاجزی، انکساری سے پیش آئے، چونکہ اسلامی تعلیمات میں عام لوگوں سے نرم روی کا حکم ہے، تو جو لوگ طالب علم ہیں، اللہ اور رسول اللہ کے مہمان ہیں ان کے لیے عاجزی اور انکساری سے پیش آنا بدرجہ اولی بھلائی اور خوبی کی بات ہے، جو شخص قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر رہا ہے وہ تواضع کا زیادہ مستحق ہے، آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ

لِينُوا لِمَنْ تُعَلِّمُونَ وَلِمَنْ تَتَعَلَّمُونَ مِنْهُ(شرح المهذب ج۱)

جس کو تعلیم دیتے ہو اس کے لیے اور جس سے سیکھتے ہو اس کے لیے نرمی اختیار کرو۔

یعنی جس کو سکھایا جارہا ہے اس کے لیے بھی نرم لب ولہجہ ،پیار اور محبت والا انداز ، ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ دل ودماغ میں رچابسا ہونا چاہیے ،اسی طرح جس سے سیکھا جارہا ہے اس کے سامنے باادب رہا جائے ،اس کے جذبات کی قدر کی جائے ،اس کو ستایا اور آزمایا نہ جائے ،اس کے اس احسان کو سامنے رکھا جائے کہ وہ اس انجان کو دین سکھارہا ہے ،قرآن اور سنت کی تعلیم دے رہا ہے ،اسے جہالت کے اندھیروں سے رفتہ رفتہ باہر لارہا ہے ،اس کے دل ودماغ میں دین اور دینیات اتار رہا ہے ،اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے دین کی شمعیں اس کی غیر آباد دنیا میں روشن کررہا ہے۔

اللہ تعالی نے اہل ایمان کے ساتھ نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے ،آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

إِنَّ اللَّهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا (مُسْلِمٌ)

اللہ نے میری طرف وحی کی ہے کہ عاجزی اختیار کرو۔

تواضع، عاجزی ،انکساری، فروتنی اختیار کرنا اللہ کے ہاں بہت ہی محبوب عمل ہے ، اس کے فضائل نبی کریم ،رؤف ورحیم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں کہ عجز وانکساری کرنے والوں کو اللہ تعالی بلندیوں پر پہنچاتے ہیں ،انہیں عزت دیتے ہیں ،ان کو رفعت اور عالی مرتبے پر فائز کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ ر(مُسْلِمٌ)

صدقہ کسی مال کو کم نہیں کرتا، معاف کرنے سے اللہ تعالی بندے کی عزت زیادہ کرتے ہیں جو شخص عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالی اسے بلند کرتے ہیں۔

علامہ ابو یحیٰ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرف المھذب میں ان آیات اور روایات کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ

فَهَذَا فِي التَّوَاضُعِ لِمُطْلَقِ النَّاسِ فَكَيْفَ بِهَؤُلَاءِ الَّذِينَ هُمْ كَأَوْلَادِهِ مَعَ مَا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ الْمُلَازَمَةِ لِطَلَبِ الْعِلْمِ: وَمَعَ مَا لَهُمْ عَلَيْهِ مِنْ حَقِّ الصُّحْبَةِ وَتَرَدُّدِهِمْ إلَيْهِ وَاعْتِمَادِهِمْ عَلَيْهِ(مجموعہ شرف المهذب ج١ص٣١)

یہ عاجزی عام لوگوں کے لیے ہے تو ان کے لیے کیوں نہ ہوگی جو اپنی اولاد کی طرح ہیں باوجودیکہ وہ علم حاصل کرنے کے لیے اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، یہ اس کے ساتھ رہتے ہیں، انہیں اس پر اعتماد ہے، اس لیے ان کے ساتھ بدرجہ اولیٰ نرمی اختیار کرنی چاہیے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

إنَّ اللَّهَ عز وجل يحب العلم المتواضع ويبغض العلم الْجَبَّارَ وَمَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ تَعَالَى وَرَّثَهُ الْحِكْمَةَ: (شرح المهذب ج١)

اللہ تعالیٰ عاجز انسان کے علم سے محبت رکھتے ہیں، سرکش اور متکبر انسان کے علم سے اللہ بغض رکھتے ہیں، جو اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ اسے حکمت عطا فرماتے ہیں۔

استاذ کو چاہیے کہ وہ اہتمام کے ساتھ طالب علم کی تعلیم پر حریص ہو، اپنی ضروریات اور مصالح پر اسے ترجیح دے، طالب علموں کا استقبال ترحیب (یعنی علم کے حصول کی خاطر آنے والوں کو مرحبا مرحبا کہے اور ان کا دل جیتے) کے ساتھ کرے، جیسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، مسکراہٹ اور خندہ پیشانی سے ان کو خوش آمدید کہے، اپنے علم کے فیضان کے ذریعے ان پر احسان کرے، جہاں تک ہو سکے ان کے لیے آسانی پیدا کرے، استاذ کو چاہیے کہ وہ طالب علم کا نام لے کر نہ پکارے بلکہ اس کی کنیت یا کسی اور لقب سے اسے بلائے، اس کی عزت اور احترام کی وجہ سے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

يُكَنِّي أَصْحَابَهُ إكْرَامًا لَهُمْ وَتَسْنِيَةً لِأُمُورِهِمْ (شرح المهذب ج١)

اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اکرام کے طور پر ان کو کنیت سے پکارتے تھے، ان کے کاموں کی مناسبت سے نام لیتے تھے۔

استاذ کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی حاضری لیا کرے، جو ان میں غائب ہو اس کے بارے میں پوچھے کہ وہ کہاں ہے؟ استاذ طالب علموں کو سمجھانے بجھانے کی پوری پوری کوشش صرف کرے، طالب علموں کی راہنمائی کے لیے ان کے ذہنوں کے قریب قریب چیزیں انہیں بتایا کرے، ہر طالب علم کو اس کی فہم وفراست کے مطابق سمجھائے، جس قدر اس کی استعداد ہے اسی قدر اس سے بات کرے، طالب علم پر اتنا بوجھ نہ ڈالے جسے وہ برداشت نہ کر سکے اور جتنا وہ بلا مشقت کر سکتا ہے اس سے استاذ کمی نہ کرے، ہر ایک طالب علم کو اس کے درجے اور مرتبے کے مطابق مخاطب کرے، جو طالب علم صرف اشاروں اشاروں میں پوری بات سمجھ جائے اسے اسی طرح سمجھاتا جائے، جو اشاروں میں نہ سمجھے اس کے سامنے پوری عبارت پیش کرے، جو فوری یاد کر سکتا ہے اس کے سامنے بیان کر دے اور جو اس طرح فوری یاد نہیں کر سکتا اس کے سامنے عبارت کو دہرائے، شرعی احکامات کو واضح طور پر مثالوں کے ساتھ ذکر کرے، جس کو دلیل کے ساتھ سمجھانے کی ضرورت ہو اسے دلیل سے سمجھائے، جسے دلیل کی ضرورت نہیں اس کے سامنے دلیل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جو طالب علم دلائل کو محفوظ رکھ سکتا ہو اس کے سامنے دلائل بیان کرے، احکام پر اعتراضات کے جوابات بھی بتائے، اشکالات کو رفع کرے، مسائل اور ان کے ساتھ ملتے جلتے مسائل بھی بیان کرے، دلائل میں کمزور دلائل بھی ذکر کرے تاکہ وہ اس کی وجہ سے کسی دھوکہ میں نہ پڑ جائے اور وہ یوں کہے کہ فلاں تو یہ دلیل دیتا ہے، قابل اعتماد دلیل دے تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے، اس کے متعلقات بھی بیان کیے جائیں، اس سے نکلنے والے اصول، امثال، اشعار اور لغات بھی بیان کرے، استاذ کو چاہیے کہ جو مصنفین کی غلطیاں ہیں ان کو بھی شاگردوں کے سامنے رکھے، یوں کہے کہ یہ درست ہے اور فلاں نے جو لکھا یا کہا وہ غلط ہے، مثلا وہ یوں کہے هذا هو الصواب

اس سے مقصود کسی کی توہین اور تنقیص بالکل نہ ہو ورنہ طالب علم کے سامنے جب اس طرح کی باتیں آئیں گی تو وہ کسی مصنف کی توہین کر بیٹھے گا۔

طالبِ قرآن کی دلجوئی

استاذ کو چاہیے کہ وہ آہستہ آہستہ عمدہ آداب، پسندیدہ اخلاق اپنے شاگرد کو سکھائے، شاگرد کو مجاہدہ سکھائے، باطنی اور ظاہری کاموں کی حفاظت کرنے کی اس میں عادت ڈالے، اپنے قول و قرار، گفتار و کردار سے بار بار ایسی راہنمائی کرے جس سے استاذ کا اخلاص، صدق نیت، تمام لمحات میں اللہ کی طرف دھیان ظاہر ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ استاذ طالب علم کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھادے کہ ان باتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے دل و دماغ کے بند روزن کھول دیں گے، علوم و معارف کے دروازے کھول دیں گے، اس کو شرح صدر عطا فرمائیں گے، اس کے دل سے حکمت اور لطائف کے چشمے جاری کر دیں گے، اس کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائیں گے، اس کو عمدہ کردار اپنانے، خوبصورت اقوال پیش کرنے کی سعادت اور توفیق بخشیں گے۔

حصول تعلیم کا حکم

علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "التبیان فی آداب حملۃ القرآن" میں لکھتے ہیں کہ:

طالب علموں کو تعلیم دینا فرض کفایہ ہے، اگر کسی مقام پر ایک آدمی کے علاوہ کوئی اور علم حاصل کرنے کی استعداد اور صلاحیت نہیں رکھتا تو پھر وہی علم حاصل کرے، اگر استعداد اور صلاحیت والے بہت سے ہوں تو بعض کا پڑھ لینا کافی ہوگا، ہاں اگر سب باصلاحیت اور ذی استعداد لوگوں نے علم حاصل کرنا چھوڑ رکھا ہے تو پھر یہ سارے لوگ گناہ گار ہوں گے۔ (التبیان فی آداب حملۃ القرآن ص ۴۱)

قرآن کریم کی روشنی میں بھی ہمیں پتا چلتا ہے کہ کچھ لوگ علم حاصل کرنے اور دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے وقف ہونے چاہئیں، ہر بستی، ہر قصبہ اور شہر میں کچھ لوگ ایسے ہونے ضروری ہیں جو تعلیم و تعلم کے شعبے سے وابستہ ہو کر اس کام کو عام کریں،

طلباء دین میں بصیرت حاصل کریں، قرآن وسنت کی تعلیم میں اپنے کو مشغول رکھیں، یہی لوگ کل کلاں پڑھ کر جب علمی اور عملی میدان میں اتریں گے تو اس فیضان کو عام کریں گے، اگر یہی لوگ اپنے مقصد اور غایت کو بھول گئے، ترک کر بیٹھے تو کل تعلیم گاہیں خالی ہو جائیں گی، اہل علم ناپید اہو جائیں گے، جس طرح کچھ عرصہ پہلے اہل علم کی کمی ہر جگہ محسوس کی جاتی تھی، دیہاتوں میں قرآنی حافظوں کی قلت تھی، تراویح کے لیے شہروں سے حفاظ منگوائے جاتے تھے، آج بفضل اللہ، بنصرۃ اللہ، بعون اللہ لاکھوں، کروڑوں حفاظ کرام قراء کرام، علمائے دین، مفتیان عظام، محدثین ذی الاحتشام اس دھرتی پر موجود ہیں جو صبح وشام **قال اللہ اورقال الرسول** کی صدائے دلفریب سے اپنے دل کی انگیٹھیاں سلگا رہے ہیں اور دوسروں کے ایمان وایقان کو جلا بخش رہے ہیں، مدارس اسلامیہ دینیہ کا ایک جال بچھا ہوا ہے جہاں بچے ہمہ وقت جھوم جھوم کر قرآنی عطر بیزیوں سے اپنی مشام جان کو معطر کر رہے ہیں۔

استاذ کا خلوص

استاذ کے لیے پسندیدہ اور مستحب بات یہ ہے کہ وہ طالب علموں کو علم سکھانے میں حریص ہو، وہ تعلیم و تعلم کو اپنے ایسے دنیوی مصالح جو غیر ضروری ہوں پر ترجیح دے، جب استاذ طالب علموں کو پڑھانے کے لیے بیٹھے تو اپنے دل ودماغ کو ایسے مشاغل سے بالکل خالی کرلے جو اس کی توجہات میں رکاوٹ ہیں، استاذ کے دل میں یہ بات ہونی چاہیے کہ وہ ان طالب علموں کو سمجھائے گا، وہ ہر شاگرد کو اس قدر علم دے گا جس قدر اس کے مناسب ہے، ایسے طالب علم پر بہت زیادہ علمی بوجھ نہ ڈالے جو زیادہ کو سنبھال نہ سکے یا اس وزن کو برداشت نہ کرسکے، طول وطویل، ثقیل اور تنافر پیدا کرنے والے مباحث سے گریزاں ہو، ہاں جہاں ضرورت سمجھے وہاں بخل سے کام نہ لے، آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر بات کرے تاکہ طلباء ان باتوں کو از بر کرلیں، دل ودماغ میں بٹھالیں، جملوں کو دہرادے تاکہ طالب علموں کو آسانی سے یاد ہو جائے۔

استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے والے طالبان علوم دین میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو پیکر شرافت کے ساتھ ساتھ صاحب ذہانت اور فطانت بھی ہوتے ہیں، ایسے طلباء کی تعریف وستائش کرنے، ان کا حوصلہ بڑھانے والی باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے تاآں کہ کسی میں غرور وتکبر پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

اگر استاذ کی تعریف وتوصیف سے اس طالب علم میں کبر ونخوت پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو استاذ کو ایسا کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے نفع کی بجائے نقصان کا اندیشہ ہے، اگر کسی طالب علم میں کمی ہے، کمزوری ہے تو استاذ کے فرائض میں سے ہے کہ اس کے لیے تادیبی کارروائی کرے، اسے ہلکی پھلکی سزا دے۔

مگر یاد رکھنے کی بات ہے کہ ایسی سزا نہ دے جس سے اس طالب علم میں علمی نفرت پیدا ہو، درسگاہ سے بھاگنے پر مجبور ہو جائے، جیسے پہلے پہلے استاذ ان طالب علموں کو زنجیروں سے باندھ دیتے تھے جو دل لگا کر تعلیم حاصل نہیں کرتے تھے، پھر یہ طالب علم بھاگ جاتے تھے، کئی ایسے روڈ ماسٹر بن گئے کہ دین کے رہے اور نہ ہی دنیا ان کے ہاتھ میں آئی، بعض طالب علم لاڈ پیار سے تعلیم حاصل کرتے ہیں، بعض لاتوں کے بھوت ہوتے ہیں جن پر کسی قسم کی کوئی دوا اثر نہیں کرتی ان کے لیے حکیمانہ طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

طالب علموں میں کچھ طالب علم لائق فائق، ذہین وفطین، زیرک اور جانفشاں ہوتے ہیں، ان پر رشک اور غبطہ مناسب ہے، مگر ان پر حسد کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ حرام ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے"

پھر حسد اغیار پر، دوسروں پر کرنا جائز نہیں ہے، شاگرد تو اپنی اولاد کی طرح ہوتا ہے اس پر حسد کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہے، اس سے اس کے باعث کسی قسم کے صلے اور معاوضے کی وصولی کی تمنا اور آرزو نہ رکھے، اس لیے کہ اس نے اس کی تعلیم وتربیت اللہ کی خاطر کرنا ہے

اللہ کو خوش کرنا ہے، اللہ کو راضی کرنا، جب اس تعلیم و تربیت کے صلے میں اللہ رب العالمین اس استاذ سے راضی ہو جائے گا تو پھر وہ آخرت میں اپنی عالی بارگاہ سے اس استاذ کو وہ کچھ عطا فرمائے گا جو دنیا میں کسی نے دیکھی نہیں، کسی آنکھ نے اسے مشاہدہ نہیں کیا، کسی کان نے اس کا تذکرہ تک نہیں سنا، کسی دل پر اس کا خیال تک نہیں گزرا، اللہ آخرت میں اس طالب علم کی تعلیم و تربیت کے عوض بہت زیادہ ثواب عطا فرمائے گا، دنیا میں اسے نیک نامی ملے گی، اس کے دنیا سے جانے کے بعد اچھے انداز میں اس کے تذکرے ہوں گے، لوگوں کے دل میں اس کا ایک مرتبہ اور مقام پیدا ہو گا۔

مگر استاذ کو چاہیے کہ وہ صرف آخرت کو مدنظر رکھے، جنت کو مدنظر رکھے، اللہ کے دیدار اور قرب کا متلاشی رہے، آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی پر نظر جمائے رکھے، ہر آن اور لمحہ اسی اللہ کے لیے دنیا میں گزارے، دنیا میں نیک نامی کی تلاشی، شہرت کی طلب، تعریف و ستائش کی آرزو نہ کرے اس لیے کہ ان چیزوں کی فی الحقیقت کوئی حقیقت نہیں ہے۔

طالب علموں کی کثرت

کسی ادارے، تعلیم گاہ اور دانش کدے میں طالب علموں کی کثرت مقصود اور مطلوب نہیں ہوتی بلکہ ان کی خوبیاں اور کمالات دینیہ مطلوب اور مقصود ہوتے ہیں، ان طالب علموں میں علمی صفات اور عملی خوبیاں پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے، ہمارے قرب و جوار میں مدارس اسلامیہ کا ایک سلسلہ جاری ہے، جہاں طالب علموں کو قرآن و سنت، فقہ واصول فقہ، منطق و فلسفہ، معانی، بدیع اور علم بیان سکھایا جاتا ہے۔

کئی مدارس میں طالب علموں کی تعداد درجنوں میں ہے اور کئی میں سینکڑوں میں اور کئی میں ہزاروں میں ہے، مجموعی لحاظ سے ان مدارس کی درسگاہوں میں لاکھوں طلباء زیر تعلیم ہیں، جن مدارس میں طلباء کی بڑی تعداد زیر تعلیم ہے ان میں اساتذہ کرام کو خیال

کرنا چاہیے کہ طلب علموں کا علمی نقصان نہ ہونے پائے، علمی نقصان اس طرح ہوتا ہے کہ استاذ صاحب اپنے مطالعہ کو طلباء کے سامنے پھینک کر تشریف لے جاتے ہیں، اگلے دن جب وہ درسگاہ میں آتے ہیں تو طلباء کی بڑی تعداد دیکھ کر ان کے دل میں خیال آتا ہے کہ ان میں سے کس کس کا سبق سنوں اور کس کس کا نہ سنوں۔

چنانچہ وہ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کسی طالب علم سے گزشتہ کل والا سبق نہیں سنتے، جس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ طالب علم لاپرواہی کرتے ہیں، ان میں سے جس کسی کے ذہن ودماغ میں کل والے سبق کا کچھ نہ کچھ خاکہ ہوتا ہے وہ اسی پر اکتفا کرلیتا ہے، مدارس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ امتحانات کے لیے تیاریاں کرتے ہیں، جس سے ان کی علمی استعداد مضبوط نہیں ہوتی۔

بسااوقات تو یہ طالب علم جاہل مرکب ہو جاتے ہیں، اس لیے استاذ کو چاہیے کہ وہ طلباء کی کثرت اور قلت کو معیار نہ بنائے بلکہ سب سے فرداً فرداً کل والا سبق سنے، جس طرح حفظ کے طلباء میں سبقی اور منزل کی اصطلاح رائج ہے، دینی کتب پڑھنے والے طلباء کی تقدیم وتاخیر کا لحاظ رکھا جائے، کسی کی حق تلفی نہیں ہونی چاہیے، سب ان کی درسگاہ میں علم کی طلب میں آئے ہیں، ان کی علمی تشنگی بجھانا یہی ماہر استاذ کا کمال ہے۔

امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

استاذ کو چاہیے کہ اگر زیادہ بھیڑ ہو تو طلباء کی ترتیب کا خیال رکھے، پہلے والے کو پہلے اور بعد والے کو بعد میں جگہ دے اور سبق پڑھائے، ہاں اگر پہلے والے رضامندی کے ساتھ بعد میں آنے والوں کو موقع دے دیں تو پھر ان کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے، ان سب کے ساتھ استاذ صاحب کو چاہیے کہ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے، ان طلباء کے احوال کا پتا بھی لیتا رہے، حاضر وغائب پر نظر رکھتا رہے، غائبین کی عدم حاضری کا پتا چلاتا رہے کہ وہ جماعت میں حاضر کیوں نہیں ہوئے تھے؟ (التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

خراب نیت والے طالب علم کو پڑھانا

طالب علموں میں تربیت نہ ہونے کی وجہ سے کئی قسم کے طالب علم پائے جاتے ہیں، جو مختلف نیتوں کے ہمراہ درسگاہوں کا رخ کرتے ہیں، کوئی تعلیم کے ذریعے دنیا طلبی کو مقصود بناتا ہے، کوئی علمی کمالات کے حصول کے بعد دنیا پر رعب و دبدبہ بٹھانے کے لیے درسگاہوں کا رخ کرتا ہے، لاشعوری زمانے میں جس نے جو بات اس کے ذہن نشین کردی وہ اسی کو لے کر مدارس کا رخ کرتا ہے، اس لیے استاذ کو چاہیے کہ اس کی نیت درست کروائے اور اسے بھی تعلیم دے جو خراب نیت کے ساتھ مدرسہ میں داخل ہوا ہے، وہ اپنے انجام اور منزل سے آگاہ نہیں ہے۔

سب سے پہلے تو اس کے سامنے بلکہ سارے طالب علموں کے سامنے علم کے فضائل بیان کرے، تحصیل علم کی غرض وغایت بیان کرے، کئی مدارس میں علم کی تعریف، غرض، موضوع وغیرہ باقاعدہ بتایا جاتا ہے، کہیں ایسا نہیں ہوتا، جب طالب علم کے سامنے تعلیم کی غرض وغایت آئے گی اور تکرار کے ساتھ آئے گی تو اس کے دل کی دنیا سیدھی ہوتی جائے گی، صرف ایک کانٹا بدلنے کی ضرورت ہے، رخ موڑنے کی ضرورت ہے۔

جب رخ مڑ جائے گا تو وہ اپنے فن و علم میں کمال ترقی کرتا جائے گا، بہر حال استاذ ہر آنے والے طالب علم کو پیار و محبت کے ساتھ تعلیم کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کرتا رہے، علماء کرام کہتے ہیں کہ اگر کوئی طالب علم درست نیت کے ہمراہ جماعت میں حصول علم کے لیے نہیں بھی پہنچا تو اسے سبق دینا چاہیے، کیونکہ حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

طَلَبَهُم لِلعِلمِ نِيَّةٌ

اس کا علم کو طلب کرنا ہی اس کی نیت ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو لوگ اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل نہیں کرتے انہیں علم کا فیضان نفع بھی نہیں دیتا ہے، اس لیے طالب علم چاہے جس نیت کے ساتھ بھی درسگاہ

میں پہنچا ہے استاذ کو چاہیے کہ اس کا رخ درست سمت موڑتے ہوئے اس کے دل کے اندر علم کے چراغ روشن کر دے۔

صاحب ہدایہ کے شاگرد خاص علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم المتعلم طریق التعلم نامی ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے، جس میں علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "علم حاصل کرتے وقت نیت کا ٹھیک ہونا بہت ضروری ہے، اس لیے کہ نیت ہی تمام حالات میں جڑ اور بنیاد کا درجہ رکھتی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، (بخاری ومسلم)

اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ کتنے ہی اعمال ایسے ہیں جو دنیوی اعمال سمجھے جاتے ہیں، حالانکہ درست نیت کی وجہ سے وہ آخرت کے اعمال ہوتے ہیں اور کتنے ہی اعمال ایسے ہوتے ہیں جو آخرت کے اعمال سمجھے جاتے ہیں لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے دنیوی اعمال بن جاتے ہیں۔

اس لیے طالب علم تحصیل علم کے وقت اللہ کو راضی کرنے اور آخرت کو پانے کی نیت کرے، اپنی جہالت دور کرنے کی نیت کرے، جہلاء سے ان کا جہل دور کرنے کی نیت کرے، دین کو زندہ کرنے اور اسلام کو باقی رکھنے کی نیت کرے، اس لیے کہ اسلام کا باقی رہنا علم کی بدولت ہی ہے، جہالت کے ساتھ زہد اور تقویٰ اختیار کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میرے استاذ شیخ برہان الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ (صاحب ہدایہ) نے کچھ ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ اشعار کہے ہیں

فَسَادٌ كَبِيرٌ عَالِمٌ مُّتَهتِک   وَاَكبَرُمِنهُ جَاہِلٌ مُّتَنَسِّک

همَا فِتنَةٌ فِي العٰلَمِينَ عَظِيمَةٌ   لِمَن بِهافِي دِينِهِ يَتَمَسَّک

بے عمل فتنہ باز عالم بڑی خرابی کا باعث ہے، اس سے بھی بڑھ کر خرابی کا باعث جاہل صوفی ہے، یہ دونوں جہانوں میں اس شخص کے لیے بڑے فتنے کا باعث ہیں جو ان کے پیچھے چلتا ہے۔

طالب علم شکرانے کے طور پر اس نیت سے علم حاصل کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل اور صحیح و سلامت بدن عطا فرمایا ہے، یہ نیت نہ رکھے کہ لوگ اس کا احترام کریں، اہل وعیال کے لیے علم کے ذریعے دولت کمانے کی نیت نہ کرے، اسی طرح علم اس لیے نہ حاصل کرے کہ اس کے ذریعے وہ بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی نظروں میں معزز ہو جائے۔(تعلیم المتعلم طریق التعلم)

حضرت امام محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اگر سارے لوگ میرے غلام ہوتے تو میں ان سب کو آزادی کا پروانہ دے دیتا، ان کی ولایت سے میں اپنے کو بری کر لیتا اور یہ سب اس لیے ہوتا کہ جس شخص کو علم و عمل کی چاشنی مل گئی، تو اسے جو کچھ لوگوں کے پاس موجود ہے اس میں رغبت نہیں رہتی۔

حضرت امام حماد بن ابراہیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کچھ اشعار لکھوائے تھے

مَن طَلَبَ العِلمَ لِلمَعَادِ   فَازَبِفَضل مِنَ الرَّشَادِ
فَيَالَخُسرَانِ طَالِبِيهِ   لِنَيلِ فَضل مِّنَ العِبَادِ

جس نے آخرت کے لیے علم حاصل کیا وہ کامیاب ہو گیا، ہدایت حاصل کر کے صاحبِ فضیلت ہو گیا، افسوس اس شخص پر جو بندوں پر فضیلت حاصل کرنے کے لیے علم حاصل کرتا ہے۔(تعلیم المتعلم طریق التعلم)

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ طلب علم میں اپنی نیت پر غور کرے، اس لیے کہ اس نے بڑی محنت اور مجاہدے کے ساتھ علم حاصل کیا ہے، اسے دنیا حقیر و فانی کے لیے ضائع نہ کرے۔

هِيَ الدُّنيَا اَقَلُّ مِّنَ القَلِيل   وَعَاشِقُهَا اَذَلُّ مِّنَ الذَّلِيل
تَصُمُّ بِسِحرِهَاقَوماًوَتَعمیٰ   فَهم مُّتَحَيِّرُونَ بِلَادَلِيل

یہ دنیا ساری بھی مل جائے تو بہت ہی تھوڑی ہے، اس سے محبت رکھنے والا ذلیل ترین ہے، قوموں کی قومیں اس کے جادو میں اندھی اور بہری ہو گئی ہیں، وہ بغیر کسی دلیل کے حیرت کا شکار ہیں۔

علامہ زرنوجیؒ فرماتے ہیں کہ طالب علم دنیا کی فضول چیزوں میں اپنے کو ذلیل نہ کرے ، ان تمام باتون سے پرہیز کرے جن سے علم والوں کی تذلیل ہو اور علم کی بھی تذلیل ہو۔

طلباء کو عاجزی اور مسکینی اختیار کرنا چاہیے ، تواضع ،عاجزی اور مسکینی اس حالت کو کہتے ہیں جو تکبر اور تذلل اور عفت کے درمیان ہو۔(تعلیم المتعلم طریق التعلم)

استاذ کے لیے احتیاطی تدابیر

جس طرح طالب علم کے لیے حصول علم کی خاطر کچھ آداب کی رعایت ضروری ہے اسی طرح استاذ کو اپنا علمی فیضان پھیلانے اور عام کرنے کے لیے کچھ احتیاطی تدابیر حاصل کرنا ضروری ہیں، علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں فرماتے ہیں کہ استاذ پڑھائی کے دوران اِدھر اُدھر فضول ہاتھ نہ لے جائے، بلاضرورت اس کی آنکھیں بھی ادھر ادھر نہیں گھومنی چاہییں، استاذ کو چاہیے کہ وہ پاک اور صاف ہو کر، صاف اور ستھرا لباس پہن کر قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے، اگر ہو سکے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے، اگر مسجد میں ہے تو نماز کا پہلے پڑھنا اور بھی زیادہ بہتر ہے، چار زانو ہو کر بیٹھنا بھی جائز ہے اور اس کے بغیر بھی بیٹھنا جائز ہے، حضرت ابوداؤد سجستانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

كان يقرئ الناس في المسجد جاثيا على ركبتيه(ابوداؤد بحواله التبيان)

لوگوں کو مسجد میں دوزانو ہو کر پڑھاتے تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استاذ کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کو ذلیل نہ کرے، جس پر بزرگوں نے بڑا زور دیا ہے، یعنی اپنی جگہ پر قائم رہے اگرچہ وقت کے حکمران کا حکم ہی کیوں نہ ہو، اس سے دین محفوظ رہے گا اور یہی طریقہ سلف صالحین کا رہا ہے۔ (التبیان)

استاذ کو چاہیے کہ وہ اپنی مجلس کو وسیع رکھے تاکہ ہر شخص پوری توجہ، یکسوئی اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر فائدہ اٹھاسکے، کیونکہ ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

خَيْرُ المَجَالِسِ أَوسَعُهَا

سب سے بہتر مجلس وہ ہے جو کشادہ ہو۔

طالب علم کیا طریقہ اختیار کرے؟

جس طرح استاذ کے لیے اکابرین رحمۃ اللہ علیہم اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم نے ہدایات اور تدابیر تحریر فرمائی ہیں، اسی طرح شاگرد اور طالب علم کے لیے بھی بہت ہی قیمتی نصائح ذکر فرمائے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ طالب علم ایسی باتوں سے بچے جن کو اختیار کرنے سے علم حاصل کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے، ہاں شدید ضرورت کے تحت اس طرح کی کوئی بات ہو جائے تو وہ الگ مسئلہ ہے، اسی طرح طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو ایسے کاموں سے پاک کرے جن کی وجہ سے قرآن کریم یاد کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو اس طرح بنائے کہ وہ قرآن مجید کو یاد کرنے کے قابل ہو جائے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ، صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ، فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (بخاری ،مسلم ،ابن ماجہ)

خبردار جسم انسانی میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو گا تو سارا جسم ہی درست ہو گا اور جب وہ خراب ہو گا تو سارا جسم ہی خراب ہو گا، یاد رکھو وہ لوتھڑا دل ہے۔

کسی دانا شخص کی بات نقل کی جاتی ہے جس نے علم کے حصول کے لیے کہا تھا کہ علم کے لیے دل کو اس طرح درست کیا جائے جس طرح کھیتی کے لیے زمین کو درست کیا جاتا ہے۔

طالب علم کو استاذ کے ادب آداب کا پاس اور لحاظ رکھنا چاہیے ، اپنے استاذ کے سامنے عاجزی اور انکساری اختیار کرے، اگرچہ استاذ شاگرد سے عمر میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، شہرت اور نسب کے لحاظ سے کم ہی کیوں نہ ہو، علم کے لیے عاجزی اور خاکساری ہو گی تو اسے علم بھی حاصل ہو گا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا

اَلعِلمُ حَربٌ لِّلفَتَیٰ المُتعَالِي * كَالسَّيل حَربٌ لِّلمَكَانِ العَالِي *

بلندی تلاش کرنے والے نوجوان کے لیے علم حاصل کرنا ایک جنگ ہے، جیسے بلند مکان کے لیے سیلاب ایک جنگ ہے۔

شاگرد اپنے استاذ کا تابعدار اور فرمانبردار رہے ،اپنے معاملات میں اپنے استاذ سے مشاورت کا سلسلہ جاری رکھے ، اس کی مثال اس بیمار آدمی جیسی ہے جو ایک ماہر اور حاذق ڈاکٹر کی باتوں پر عمل کرتا ہے اور اس کی بتائی ہوئی پرہیز کو اختیار کرتا ہے۔(التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا"میں نے سمرقند کے حکیموں میں سے ایک حکیم سے سنا، وہ کہتے تھے کہ مجھ سے کچھ طالب علموں نے علم حاصل کرنے کے لیے بخارا جانے کا مشورہ کیا، تو میں نے انہیں کہا کہ جب تم بخارا جاؤ تو اختلاف ائمہ کے بارے میں جلدی نہ کرنا، دو ماہ ٹھہر جانا، یہاں تک کہ تم غور و فکر کر لو اور استاذ کا انتخاب کر لو۔(تعلیم المتعلم)

مشورہ ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حکم دیا کہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل وحی لے کر نازل ہوتے تھے ،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی کے ساتھ مشورے کی بالکل ضرورت نہ تھی ، براہ راست اللہ احکام نازل کرتے تھے ،اس کے باوجود حکم دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کاموں کے بارے میں مشورہ کیا کریں ،اسی طرح حضرات صحابہ کرام کی

جو خوبی قرآن میں بیان کی گئی ہے اس میں یہی بتایا گیا کہ ان کے باہمی معاملات مشاورت سے طے ہوتے ہیں، اہل علم کا کہنا ہے کہ مشورہ کرنے والا کبھی شرمندہ نہیں ہوتا۔

حضرت علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کوئی کام بغیر مشورہ نہیں کیا۔ (تعلیم المتعلم)

آدمی کی تین اقسام

آدمی کی تین اقسام بیان کی جاتی ہیں، ایک مرد کامل، دوم مرد نصف، سوم بیکار محض، مرد کامل وہ ہوتا ہے جو اپنی ایک درست رائے رکھتا ہو اور پھر وہ دوسرے لوگوں سے مشاورت بھی کرتا ہو، نصف مرد وہ ہے جو رائے تو درست رکھتا ہو مگر کسی سے مشورہ نہ کرتا ہو، بیکار محض وہ ہوتا ہے جو درست رائے رکھے اور نہ ہی کسی دوسرے سے مشورہ کرنا گوارہ کرے (تعلیم المتعلم طریق التعلم)

طالب علم کی دلجمعی اور ثابت قدمی

انسان کے لیے کسی کام میں تسلسل برقرار رکھنا کافی مشکل کام ہے، اسے عجول کہا گیا ہے کہ یہ جلد باز ہے، وہ جلدی جلدی مختلف اشیاء کا ذوق حاصل کرنے کے بعد کسی دوسری چیز کی طرف لپکتا ہے، اسی طرح طالب علم بھی مختصر وقت میں اپنا سارا تعلیمی وقت مکمل کرنے کی خواہش رکھتا ہے، مگر اس طرح کرنے سے کامیابی ناممکن ہو جاتی ہے، وقتی جلد بازی اس کے مستقبل کو تاریک کر دیتی ہے، اس لیے اسے چاہیے کہ وہ اپنا تعلیمی دورانیہ نہایت صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ گزارے بلکہ بہترین الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے تعلیمی اوقات کو صرف گزارے نہیں بلکہ قیمتی بنائے، سنہری بنائے، اس لیے کہ کسی بھی کام کی کامیابی اور کامرانی کے لیے قدم جمانا، صبر کا مظاہرہ کرنا بنیادی کام ہے، اساسی کام ہے، بلکہ اصل الاصول ہے۔ شاعر نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ بلندی کے حصول

کے لیے محنت شرط ہے، وہی شخص فیض اور فائدہ اٹھا سکتا ہے جو جمار ہتا ہے، ڈٹا رہتا ہے، اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ جیسے فرمایا

لِکل اِلَی شَاؤ العُلَاحَرَکَاتٌ وَلٰکِن عَزِیزٌفِی الرِّجَالِ ثَبَاتٌ

ہر بلندی کے حصول کے لیے محنت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن کامیاب وہ ہوگا جو ڈٹا رہے گا جس طرح جوہر شجاعت سمیٹنے والا، داد تحسین وصولنے والا مجاہد وہی ہوتا ہے جو کچھ لمحے میدان کارزار میں جما اور ڈٹا رہتا ہے، جو میدان چھوڑ کر پسپائی اختیار کرتا ہے اسے بہادر اور شجاع کوئی نہیں کہتا بلکہ بزدل اس کا لقب ٹھہرتا ہے، تمغے اور اعزازات اسے ملتے ہیں جو اپنے فن کا جادو جگاتا ہے۔

اسی طرح طالب علم کے لیے یہ میدان اس کے خفیہ جوہر دکھانے کا میدان ہے، وہ لگا رہے، ڈٹا رہے، اپنے مشن کی تکمیل کے لیے صبر وثبات کے ساتھ اپنے استاذ کی خدمت میں موجود رہے، اپنے اسباق بڑی تندہی، محنت اور جانفشانی سے نہ صرف مکمل کرے بلکہ ان پر دھیان بھی رکھے، انہیں یاد بھی کرے، کتابیں جستہ جستہ پڑھنے کی بجائے مکمل پڑھے، تاکہ ایک ایک فن کی کتاب پر اسے عبور حاصل ہوتا رہے، کسی فن کی کتاب کو نامکمل نہ چھوڑے، ایک فن کو توجہ کے ساتھ سیکھے، اس دوران دوسرے فن میں مشغول ہونا خاصا مشکل کام ہے۔

صبر وثبات کے فضائل

علم کے حصول میں صبر وثبات اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ طالب علم عجلت کی وجہ سے اس عظیم کام سے دستبردار نہ ہو جائے، حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے

لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ يَكُونُ عِنْدَهُ الْعِلْمُ أَنْ يَتْرُكَ التَّعَلُّمَ(جامع بيان العلم)

جس شخص کے پاس علم ہے اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ علم حاصل کرنا چھوڑ دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ مَعَادِنِ التَّقْوَى تَعَلُّمَكَ إِلَى مَا قَدْ عَلِمْتَ مَا لَمْ تَعْلَمْ، وَالنَّقْصُ فِيمَا قَدْ عَلِمْتَ

قِلَّةُ الزِّيَادَةِ فِيهِ، وَإِنَّمَا يُزَهِّدُ الرَّجُلَ فِي عِلْمِ مَا لَمْ يَعْلَمْ قِلَّةُ انْتِفَاعِهِ بِمَا عَلِمَ

تقویٰ کی کان میں سے یہ ہے کہ جو علم آپ نے سیکھا ہوا ہے اس کے ذریعے وہ علم حاصل کرو جو تمہارے پاس نہیں ہے، یہ علم میں نقصان ہے کہ اس میں اضافے کا خیال نہ ہو، مزید علم کی خواہش نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھا رہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْهُومَانِ لَا تَنْقَضِي نَهْمَتُهُمَا: طَالِبُ عِلْمٍ، وَطَالِبُ دُنْيَا

دو حریص ایسے ہیں جن کی حرص کبھی ختم نہیں ہوتی، ایک طالب علم اور دوسرا طالب دنیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ جَاءَهُ أَجَلُهُ وَهُوَ يَطْلُبُ عِلْمًا لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ لَمْ يَفْضُلْهُ النَّبِيُّونَ إِلَّا بِدَرَجَةٍ

جو شخص اس حال میں مر جائے کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے علم حاصل کر رہا تھا تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک درجے کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔

تعلیم کے حصول کے زمانے میں جو طالب علم فوت ہو جاتا ہے، اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہید قرار دیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا جَاءَ الْمَوْتُ طَالِبَ الْعِلْمِ وَهُوَ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ مَاتَ شَهِيدًا (جامع بيان العلم)

طالب علم کو اگر علم حاصل کرتے ہوئے موت آجائے تو وہ اس حالت میں شہید مرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ علم کب تک حاصل کرنا چاہیے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب تک زندگی ہے تب تک علم حاصل کرتے رہنا چاہیے

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا، آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے؟ انہوں نے جواب دیا میں موت تک علم حاصل کرتا رہوں گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ علم کی سب سے زیادہ ضرورت کسے ہے؟

انہوں نے جواب دیا جو سب سے زیادہ علم والا ہے، کیونکہ اس سے غلطی ہونا سب سے زیادہ معیوب ہے۔

مامون الرشید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ بوڑھوں کو بھی علم حاصل کرنا چاہیے؟ اس نے جواب دیا اگر جہالت بوڑھوں کے حق میں عیب ہے تو انہیں ضرور علم حاصل کرنا چاہیے۔

ابن ابی غسان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آدمی اسی وقت تک عالم ہے جب تک وہ طالب علم ہے اور اس وقت جاہل ہے جب وہ علم کو حاصل کرنا چھوڑ دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ علم انصار سے ملا، وہ اس طرح کہ میں ٹھیک دوپہر کو کسی انصاری کے دروازے پر پڑا رہتا تھا، حالانکہ اگر میں چاہتا تو وہ فوراً میری ملاقات کے لیے اپنے گھر سے باہر نکل آتا، مگر مجھے اس کے آرام کا خیال رہتا تھا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت روایت کرتا ہے حالانکہ اگر قرآن کریم کی یہ دو آیتیں

①{إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ} [البقرة: 174]،

②{إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى} [البقرة: 159]

نہ ہوتیں تو میں کچھ بھی روایت نہ کرتا، بات یہ ہے کہ میرے مہاجر بھائی خرید وفروخت میں لگے رہتے تھے اور انصاری بھائی کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے، لیکن ابوہریرہ اپنا پیٹ پالنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور وہ ارشادات بھی سنتا تھا جو یہ لوگ نہیں سنتے تھے۔ (جامع بیان العلم)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شوق علم کا یہ عالم تھا کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا علم حاصل کرنے کے لیے ان کے بیٹے عبیداللہ کے پاس جایا کرتے تھے وہ کبھی گھر میں آنے دیتے اور کبھی واپس کر دیتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ فقر وفاقہ کی لذت نہ چکھی جائے۔

حضرت ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تحصیل علم میں ان کے گھر کی چھت تک فروخت ہو گئی تھی، ان کے کھانے کے لیے مدینے کے کوڑے دان پر پڑی سڑی ہوئی کشمش تھی۔

رسوخ ووثوق کا فقدان

آج کل ہمارے دینی مدارس میں چونکہ تمام فنون طلباء میں منتقل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ، اس کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا ،ہاں البتہ طلباء ان فنون کے کچھ اصولوں اور ضابطوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں ، عصری درسگاہوں کے طلباء بھی صرف وقت گزاری کرتے ہیں، ہاں ان میں سے اگر کوئی شخص کسی ایک فن کا دلدادہ اور شوقین ہو تو وہ کسی بڑی یونیورسٹی میں جاکر اس فن کے کسی ماہر کی زیر نگرانی تخصص کرتا ہے ، جسے سپیشلائزیشن کہا جاتا ہے، اس فن میں کمال پیدا کرنے کے بعد وہ اس فن کا ڈاکٹر کہلاتا ہے۔

اس کے برعکس دینی مدارس کی حالت کافی کمزور ہے کہ وہاں تخصص کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا، پاکستان میں گنتی کے چند ادارے ہیں جہاں تخصصات پر توجہات مبذول ہوتی ہیں، چونکہ اس میدان کے کچھ تقاضے ہیں جو ہر مدرسہ بعض مجبوریوں کے باعث پورے نہیں کر سکتا۔

پہلے وقتوں میں طالب علم ایک ایک فن کے حصول کی خاطر صحراؤں کی خاک چھانتا تھا، فلک بوس پہاڑی راستوں کی سنگلاخ چٹانوں کو عبور کرتا تھا، کئی کئی میل پیدل چلتا تھا، اساتذہ کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا، کسی ایک فن کا ماہر استاذ بڑی تلاش کے بعد جاکر ملتا تھا، ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ منطق کی کتاب خیالی پڑھانے والے استاذ کے گھر کی چھت پر جھنڈا لہرایا کرتا تھا، جو اس بات کی علامت سمجھا جاتا تھا کہ یہاں خیالی پڑھائی جاتی ہے۔

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے تو طلباء کرام کو یہاں تک نصیحت فرمائی ہے کہ حصول علم کے لیے، کسی فن کی تکمیل کے لیے ایک شہر میں جم کر رہیں، جب تک یہ فن اس شہر میں مکمل نہ کرلے کسی دوسرے شہر کا سفر نہ کرے، اس لیے کہ یہ ساری باتیں معمولات میں خلل ڈالتی ہیں، دل کو پراگندہ کرتی ہیں، اوقات کو ضائع کرتی ہیں، جب طالب علم ادھورا کام چھوڑ کر چلتا بنتا ہے تو استاذ کے دل پر یہ بات گراں گزرتی ہے، اس لیے طالب علم کا نفس جن چیزوں کا تقاضا کرے اس پر وہ صبر سے کام لے، اس لیے کہ

اِنَّ الھویٰ لَھویٰ الھوَانِ بِعَینِہٖ وَصَرِیعُ کل ھوی صَرِیعُ ھوان

خواہشات تو اپنی ذات ہی میں کمزور ہیں، اور جو شخص خواہشات میں پڑ جائے وہ ذلتوں کے اتھاہ کنویں میں جا گرتا ہے۔

طالب علم کو محنت اور مشقت اٹھانے میں صبر سے کام لینا چاہیے، کیونکہ اس کی کامیابیوں اور کامرانیوں کے خزینے مشقتوں اور محنتوں کے ڈھیر پر ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی لیے تو فرمایا تھا

اَلَالَاتَنَالُ العِلمَ اِلّابِسِتَّۃٍ سَأُنَبِّیک عَن مجمُوعِھا بِبَیَانٍ
ذَکاءٌ وَّحِرصٌ وَّاصطِبَارٌ وبلغۃ وَارشَادُ اُستَاذٍ وَّطُولُ زَمَانٍ

علم چھ باتوں کے اہتمام سے حاصل کیا جاسکتا ہے، جن کا مجموعہ میں عنقریب آپ کے سامنے بیان کروں گا، (۱) ذہانت، (۲) علم کے لیے حریص ہونا، (۳) علم حاصل کرنے میں صبر سے کام لینا، (۴) طالب علمی کے زمانے میں بقدر ضرورت تھوڑے رزق پر قناعت کرنا، (۵) استاذ کے ارشاد و حکم کی اطاعت کرنا، (٦) ایک لمبی مدت تک علم حاصل کرنا۔

طالب علم کی کامیابی کے زینے

کسی بھی طالب علم کی کامیابی کے لیے چند باتیں زینہ کی حیثیت رکھتی ہیں، اصل اور بنیاد کی طرح ہیں، اگر طالب علم ان کو مدنظر رکھ کر اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کرے گا

اور انہی کی رعایت کرتے ہوئے اس راستے پر گامزن رہے گا تو وہ اپنے زمانے کا مقتدیٰ بن جائے گا، اگر ان چیزوں کی وہ پرواہ نہیں کرتا تو جو مرضی ہے بن جائے مگر اس کا فیضان عام نہیں ہو سکتا، ان باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ طالب علم علم کا ادب واحترام کرے اور علم والوں کا بھی ادب اور احترام کرے، وہ طالب علم اپنے حاصل کردہ علم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جو علم اور صاحبانِ علم کی قدر نہ پہچانے، ان کی عزت نہ کرے، استاذ کی عزت اور احترام نہ کرے۔

اہل علم و قلم نے یہ بات تحریر کی ہے کہ انسانوں نے جو کچھ حاصل کیا اور جس سے حاصل کیا وہ احترام ہی کی بدولت کیا، ادب واحترام ہی سے انہوں نے دوسروں کے دل میں اپنا مقام بنایا اور وہاں سے کچھ پایا، جن لوگوں نے اپنا نقصان کیا اس کی وجہ بھی ان کی طرف سے چشمۂ فیضان تقسیم کرنے والوں کی بے ادبی اور بے حرمتی ہے، علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احترام کرنا اطاعت وفرمانبرداری سے زیادہ بہتر ہے، جیسے انسان گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا بلکہ گناہ کو ہلکا سمجھنے کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔

استاذ کی عزت اور احترام کرنا بھی علم کی عزت واحترام کرنا، حضرت علی المرتضی شیر خدا تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ جس نے مجھے ایک حرف سکھایا وہ میرا آقا ہے، میں اس کا غلام ہوں، چاہے تو وہ مجھے بیچ دے، چاہے تو آزاد کر دے۔ فرماتے ہیں

رَأَیتُ اَحَقَّ الحَقِّ حَقُّ المُعَلِّمِ وَاُوجِبُہُ حِفظاً عَلیٰ کُلِّ مُسلِمِ
لَقَدحَقَّ اَن یُّھدیٰ اِلَیہِ کرَامَۃٌ لِتعلِیمِ حَرفٍ وَّاحِدٍ اَلفُ دِرھمٍ

میں حقوق میں سب سے زیادہ حق استاذ کا سمجھتا ہوں، ہر مسلمان پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے، استاذ کا حق تو یہ ہے کہ اسے اکراماً ہر حرف پڑھنے کے بدلے میں ایک ہزار درھم ہدیہ پیش کیا جائے۔

استاذ کا اکرام

طالب علم کو چاہیے کہ وہ استاذ کا اکرام کرے، علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں طالب علم کے لیے دس باتیں نقل فرمائی ہیں

① طالب علم استاذ کے آگے نہ چلے۔
② طالب علم استاذ کی جگہ پر نہ بیٹھے۔
③ استاذ کی اجازت کے بغیر استاذ کے سامنے کلام کی ابتدا نہ کرے
④ اس کے پاس زیادہ باتیں نہ کرے۔
⑤ جس چیز سے استاذ کو کوفت ہو اس چیز کو استاذ سے طلب نہیں کرنا چاہیے۔
⑥ طالب علم استاذ کے وقت کی رعایت کرے۔
⑦ استاذ کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے، بلکہ صبر کرے یہاں تک کہ وہ خود باہر آجائے۔
⑧ ہر حال میں استاذ کو خوش رکھنے کی کوشش کرے اور اس کی ناراضگی سے بچے۔
⑨ اللہ کی نافرمانی کے سوا ہر کام میں اس کا کہنا مانے ،اس لیے کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی کو خوش نہیں کیا جاسکتا۔
⑩ طالب علم استاذ کی اولاد اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کا احترام کرے۔

استاذ اور شاگردوں کے چند ایمان افروز واقعات

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پند و نصائح کے بعد اساتذہ اور ان کے شاگردوں کے چند ایمان افروز واقعات بھی سپرد قرطاس کیے ہیں ،اپنے استاذ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ بخارا کے اماموں میں سے ایک امام مجلس درس میں درس دے رہے تھے ، کبھی کبھی وہ درس کے دوران اچانک اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے ، ہم نے اس بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے استاذ کا بیٹا بچوں کے ساتھ گلی میں کھیل رہا تھا، کبھی کبھی وہ کھیلتا ہوا مسجد کے دروازے کی طرف آجاتا

تھا، جب میں اس کو دیکھتا تو اپنے استاذ کی تعظیم کی خاطر اٹھ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ (تعلیم المتعلم طریق المتعلم)

استاذوں کے استاذ قاضی فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ مرو نامی شہر میں رہتے تھے، بادشاہ ان کا بہت احترام کرتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہتا تھا کہ میں اس عظیم منصب تک استاذ کی خدمت کی وجہ سے پہنچا ہوں، اس لیے کہ میں استاذ قاضی امام ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کیا کرتا تھا، میں نے تیس سال تک ان کے لیے کھانا پکایا، تیس سال میں میں نے کبھی یہ کھانا چکھا تک نہیں تھا۔

شمس الائمہ امام حلوانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار بخارا سے باہر تشریف لے گئے، کسی بستی میں چند روز ٹھہرے، وہاں ان کی ملاقات کے لیے ان کے تمام شاگرد تشریف لائے، مگر شیخ الاسلام قاضی شمس الائمہ ابو بکر الزرنجی رحمۃ اللہ علیہ ان کی ملاقات کے لیے تشریف نہیں لائے، جب وہ ان سے ملے تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ آپ میری ملاقات کے لیے کیوں نہیں آئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھا، استاذ نے فرمایا کہ اللہ آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے گا، لیکن تمہیں درس وتدریس کی رونقیں میسر نہیں آئیں گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، وہ اکثر و بیشتر کاموں کے سلسلوں میں مختلف بستیوں میں پھرتے رہتے تھے اور درس وتدریس کا انتظام نہ کرنے کی وجہ سے اس نعمت سے محروم تھے۔

زرنوجی ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ جو کوئی بھی اپنے استاذ کو تکلیف پہنچائے گا وہ علم کی برکت سے محروم ہو جائے گا، وہ علم سے بہت تھوڑا نفع اٹھائے گا

اِن المُعَلِّمَ وَالطَّبِیبَ کِلَاھمَا　　لَایَنصَحَانِ اِذَاھمَا لَم یُکرَمَا
فَاصبِر لِدَائِک اِن جَفَوتَ طَبِیبَہ　　وَاقنَع بجَھلِک اِن جَفَوتَ مُعَلِّماً

بے شک استاذ اور ڈاکٹر دونوں سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، جب تک ان کا اکرام نہ کیا جائے، اگر تو ڈاکٹر کے ساتھ برا سلوک کرے تو اپنی بیماری پر صبر کر اور اگر استاذ کے ساتھ برا سلوک کرے تو اپنے جہل پر قناعت کر۔ (تعلیم المتعلم طریق التعلم)

استاذ کی خدمت

استاذ کی خدمت کے واقعات میں سے ایک واقعہ خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے کا نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو حضرت امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ اسے ادب اور علم سکھائیں، ایک روز خلیفہ نے دیکھا کہ امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ وضو فرما رہے ہیں اور خلیفہ کا بیٹا ان کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے، خلیفہ نے امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اسے آپ کی خدمت میں تعلیم وادب سیکھنے کے لیے بھیجا تھا، آپ نے اسے یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ وہ ایک ہاتھ سے آپ کے پاؤں پر پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے پاؤں کو ملتا؟ (تعلیم المتعلم طریق التعلم)

تواضع اور عاجزی ایک وصف مشترک

استاذ ہو یا طالب علم، مدرس ہو یا رئیس المدرسہ، مصنف ہو یا مؤلف، خطیب ہو یا امام، کاتب ہو یا انشاء پرداز، صحافی ہو یا قلم کار، بزنس مین ہو یا تاجر سب میں ایک مشترکہ خوبی کا ہونا لازمی امر ہے اور وہ ہے ان میں عاجزی اور مسکینی کا پایا جانا، بعض لوگ اس صفت کمال سے مالا مال ہوتے ہیں، بعض لوگ اس صفت کمال سے یکسر محروم ہوتے ہیں، انہیں مال ودولت کی فراوانی اس صفت کمال کو اپنانے نہیں دیتی، حالانکہ یہ ایسی خوبی ہے جس سے انسان مزین ہو جائے تو ترقی اور عروج کی طرف جانے سے اسے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے عاجز اور منکسر المزاج بندوں کو کامیاب قرار دیا ہے، پھر ایک مقام پر انسان کو سمجھایا کہ زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چل، سر اٹھا اٹھا کر نہ چل، پاؤں کی چاپ سے اس زمین کو پھاڑا نہیں جاسکتا، اچھلنے کودنے اور سر اکڑانے سے پہاڑوں کی بلند وبالا چوٹیوں کو عبور نہیں کیا جاسکتا، طالب علم اور استاذ کے لیے اس صفت کو اختیار کرنا انتہائی ضروری ہے اس لیے کہ علم نور الٰہی ہے یہ انہی لوگوں کو حاصل

ہو سکتا ہے جو متواضع اور منکسر المزاج ہوتے ہیں، انہی لوگوں کا فیضان عام ہو سکتا ہے جو عاجزی اور مسکینی کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا لیتے ہیں۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ

اِنَّ التَّوَاضُعَ مِن خِصَالِ المُتَّقِی وَبِہِ التَّقِی اِلَی المَعَالِی یَرتَقِی
وَمِنَ العَجَائِبِ عُجبُ مَن ھوَ جَاھِلُ فِی حَالِہِ اَھوَالسَّعِیدُ اَمِ الشَّقِیُ
اَم کَیفَ یَختِمُ عُمرُہُ اَورُوحُہُ یَومَ التَّویٰ مُتَسَفِّل اَومُرتَقیٰ
وَالکِبرِیَاءُ لِرَبِّنَا صِفَۃٌ بِہِ مَخصُوصَۃٌ فَتَجَنَبھا وَالتَّقی

بے شک تواضع اور عاجزی متقی انسان کی خصلتوں میں سے ہے، متقی شخص عاجزی اور مسکینی کے ذریعے بلندیوں پر فائز ہوتا ہے، اگر کوئی آدمی اپنے حال سے ناواقف ہو کہ وہ نیک بخت لوگوں میں سے ہے یا بد بخت لوگوں میں سے تو اس کا تکبر اور غرور کرنا بڑے ہی تعجب اور حیرت کی بات ہے یا اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی عمر کیسے ختم ہو گی؟ اور اس کی روح قیامت کے دن جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہو گی یا جنت کے سب سے اعلیٰ طبقے میں ہو گی؟ بڑائی ہمارے اللہ پاک کی مخصوص صفت ہے، اس لیے تو تکبر اور غرور سے بچ، تقویٰ اختیار کر۔

تواضع اور عاجزی کے فضائل

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

إِنَّ التَّوَاضُعَ لَا يَزِيدُ الْعَبْدَ إِلَّا رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوا يَرْفَعْكُمُ اللَّهُ

عاجزی سے بندے کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے، اس لیے تم عاجزی اختیار کرو اللہ تمہیں سر بلند کر دے گا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ علامہ عبد البر قرطبیؒ ص ۵۶۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ

صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا، معاف کرنے سے اللہ عزت میں اضافہ کرتے ہیں، عاجزی کرنے سے اللہ تعالیٰ سر بلند کرتے ہیں۔ (جامع بیان العلم)

اہل علم کا کہنا ہے کہ

الْمُتَوَاضِعُ مِنْ طُلَّابِ الْعِلْمِ أَكْثَرُ عِلْمًا كَمَا أَنَّ الْمَكَانَ الْمُنْخَفِضَ أَكْثَرُ الْبِقَاعِ مَاءً

عاجز مسکین طالب علم علم کے لحاظ سے زیادہ ہوتا ہے، جیسے نشیبی جگہ میں پانی زیادہ جمع ہوتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے،

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِحِكْمَةٍ وَقِيلَ لَهُ: انْتَعِشْ، نَعَشَكَ اللَّهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهِ حَقِيرٌ وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيرٌ(جامع بيان العلم وفضله)

جب بندہ اپنی دانائی کی وجہ سے اللہ کے لیے عاجزی کرتا ہے تو اللہ اس کو بلند کر دیتا ہے، لوگ اسے کہنے لگتے ہیں اونچا ہو جا، اونچا ہو جا اللہ تجھے اونچا کرے، وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں وہ بڑا آدمی ہوتا ہے۔

ایک حدیث قدسی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا وَلَا يَبْغِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ

بے شک اللہ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ عاجزی اختیار کرو اور ایک دوسرے پر چڑھائی نہ کرو۔(جامع بیان العلم وفضلہ)

علم اور تعلیم کے بدلے جاہ ومال کی تلاش

حضرت وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رِجَالٌ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ قَدْ قَرَءُوا الْكُتُبَ وَعَلِمُوا عِلْمًا، وَإِنَّهُمْ طَلَبُوا بِقِرَاءَتِهِمْ وَعِلْمِهِمُ الشَّرَفَ وَالْمَالَ، وَإِنَّهُمُ ابْتَدَعُوا بِهَا بِدَعًا أَدْرَكُوا بِهَا الْمَالَ وَالشَّرَفَ فِي الدُّنْيَا فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا(جامع بيان العلم وفضله)

بنی اسرائیل میں کچھ نو عمر لوگ تھے، جنہوں نے کتابیں پڑھ رکھی تھیں اور علم حاصل کر رکھا تھا، انہوں نے اپنی اس تعلیم کے صلے میں جاہ ومال تلاش کرنا شروع کر دیا، انہوں نے اس علم کی بدولت ایسی ایسی بدعات اور خرافات شروع کر دی تھیں جس کے عوض وہ مال اور جاہ تلاش کرتے تھے، انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا اور خود بھی گمراہ ہو گئے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خاکساری، عاجزی، مسکینی یہ ہے کہ آدمی حق بات کے سامنے جھک جائے، کسی جاہل سے بھی حق سنے تو فوراً جھک جائے۔

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بس اس قدر علم کافی ہے کہ آدمی اللہ کے ڈر سے آگاہ ہو جائے اور اس قدر جہالت کافی ہے کہ آدمی اپنے علم یا اپنے عمل پر غرور کرتا پھرے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہالت کی تین نشانیاں ہیں، خود پسندی، فضول گوئی اور دوسروں کو کسی بات سے روکنا مگر خود وہی کرنا۔

حضرت علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خود پسندی دانائی کی موت ہے۔

حضرت علی بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے

الْمَالُ آفَتُهُ التَّبْذِيرُ وَالنَّهْبُ ... وَالْعِلْمُ آفَتُهُ الْإِعْجَابُ وَالْغَضَبُ

فضول خرچی اور لوٹ سے مال برباد ہو جاتا ہے، خود پسندی اور غصہ علم کو تباہ کر دیتا ہے۔

کسی دانا کا مشہور قول ہے،

مَنْ أُعْجِبَ بِرَأْيِهِ ذَلَّ، وَمَنِ اسْتَغْنَى بِعَقْلِهِ زَلَّ، وَمَنْ تَكَبَّرَ عَلَى النَّاسِ ذَلَّ وَمَنْ خَالَطَ الْأَنْذَالَ حُقِّرَ وَمَنْ جَالِسَ الْعُلَمَاءَ وُقِّرَ

جو شخص اپنی رائے پر مغرور ہوا وہ ذلیل ہو گیا، جس نے اپنی عقل استعمال نہیں کی وہ پھسل گیا، جس نے لوگوں کے سامنے تکبر کیا وہ ذلیل ہو گیا، جس نے کمینے لوگوں کی صحبت اختیار کی وہ حقیر ہو گیا، جس نے علماء کی مجلس اختیار کی وہ باوقار ہو گیا۔

جو لوگ درست نیت کے ساتھ علم حاصل کرتے ہیں، اپنا دن رات اسی کام کے لیے لگا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دل ودماغ کے بند روزن کھول دیتے ہیں، ان کے سینے کے سفینے کو علم کے موتیوں سے بھر دیتے ہیں، جو اپنے علم میں اضافے اور زیادتی کی دعا کرتے رہتے ہیں اللہ ان کے علم میں اضافہ کرتے ہیں، جب علم میں اضافہ کرتے ہیں تو پھر وہ علم کے پیاسوں کی نہ صرف ضرورت بن جاتے ہیں بلکہ مجبوری بن جاتے ہیں، ان کے پاس طالب علموں کی کمی نہیں رہتی، ان کو ایسا منصب اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں جو عارضی نہیں

ہوتا بلکہ دائمی ہوتا ہے، عارضی اور وقتی عزت نہیں بلکہ دائمی عزت انہیں مل جاتی ہے، اس لیے علم کے طلب گاروں کو چاہیے کہ وہ ایک عظیم الشان کام کو محض لایعنی اور فضول چیزوں کی تلاش کے لیے داؤپر لگانے سے گریز کریں۔

مال انسان کی مجبوری ہے، ضرورت ہے، مقصد نہیں ہے، مگر مال ومتاع کے حصول کے لیے علم حاصل کرنا کوئی درست نیت نہیں ہے، علم کے متلاشیوں کی یہ ضرورت اللہ غیب سے پوری کر دیتے ہیں، کس قدر غریب اور نادار تھے مسجد نبوی کے پڑوس میں صفہ پر بیٹھے والے وہ طالب علم جو آپ ﷺ سے قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کرتے تھے، کھانے پینے اور پہننے تک کی چیزیں ان کے پاس دستیاب نہیں تھیں، کوئی پچ کالباس ان کے جسم پر موجود نہیں تھا، حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم نے ان کے حالات کا تذکرہ کیا ہے، انہیں دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے کہ اس قدر غربت کے باوجود ان لوگوں کے نزدیک دنیاوی مال ومنال کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، ایک آدھ بار ان کے دل میں دنیا کا خیال آیا تو فوراً تربیت کے لیے قرآنی آیات کا نزول ہو گیا تھا، جس سے انہیں سمجھ آگئی تھی کہ یہ دنیا فانی ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

طالب علم، استاذ اور کتاب

طالب علم کو چاہیے کہ وہ جس طرح استاذ کا ادب واحترام ملحوظ رکھے اسی طرح کتاب کا بھی خوب ادب واحترام کرے، اس سے علم کا فیضان عام ہوگا، میں جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں زیر تعلیم تھا، کھیلنے کودنے سے مجھے ہمیشہ دوری رہی، کبھی کھیل کود کا شوق نہیں رہا، ہمارے ساتھی عصر کی نماز کے بعد جامعہ کے صحن میں موجود میدان میں والی بال کھیلا کرتے تھے، کبھی کبھار ہمارے جامعہ کے رئیس حضرت مولانا قاضی عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آتے، اللہ نے انہیں کمال کا رعب عطا فرما رکھا تھا، آپ جب تشریف لاتے تو طالب علموں کو میدان میں کھیلتا دیکھ کر غصہ میں آجاتے اور فرماتے کہ بیبا! دیکھو، یہ درسگاہ ہے، آپ لوگ یہاں کھیلتے ہو جس کے باعث گرد اور غبار اڑاڑ کر دیواروں اور تپائیوں پر پڑتی ہے، انہی پر قرآن مجید رکھا جاتا ہے، انہی پر کتابیں رکھی جاتی ہیں، یہ کس قدر قرآن مجید اور دوسری کتابوں کی بے حرمتی اور بے ادبی ہے، بیبا! اس بات کا خیال رکھا کرو، بیبا کا لفظ ان کا تکیۂ کلام ہوا کرتا تھا۔

شمس الائمہ علامہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ علم ملا ہے یہ ادب ہی کی بدولت ملا ہے، میں نے کبھی کسی کاغذ کے ٹکڑے کو بھی بغیر وضو ہاتھ نہیں لگایا، اسی طرح شمس الائمہ سرخسی کے بارے میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پیٹ میں سخت تکلیف تھی، رات کو بار بار انہیں قضائے حاجت کے لیے جانا پڑتا تھا، ایک رات میں سترہ مرتبہ انہوں نے وضو کیا، وہ کبھی بھی بغیر وضو کے کتاب کا تکرار نہیں کرتے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ علم نور ہے، وضو بھی نور ہے، وضو کے نور کی وجہ سے علم کا نور بڑھتا ہے۔

اکابر کتابوں کے ادب اور احترام کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ وہ اپنے ٹانگیں کبھی کتاب کی طرف دراز نہیں کرتے تھے، اگر کتابیں ایک دوسرے کے اوپر رکھی جاتیں تو ان

کے مراتب کا بھی خیال رکھا کرتے تھے، قرآن کریم پر کسی کتاب کو نہیں رکھا جاتا تھا، تفسیر کو تمام کتابوں کے اوپر رکھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کا علم پھیلا ہے، ان کا فیضان عام ہوا ہے۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ آج مسلمان ان چیزوں کا خیال کرتا ہے اور نہ ہی ان کی پرواہ کرتا ہے، میں سن دوہزار دس میں حج کے لیے گیا، حرم کعبہ کے تہہ خانے میں ایک عرب حاجی قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھا، مگر وہ اپنی دونوں ٹانگیں دراز کیے ہوئے تھا، میں نے اس کے قدموں پر ہاتھ لگا کر اسے اپنی طرف تھوڑا سا متوجہ کیا اور اسے عربی زبان میں بتایا کہ شیخ ہمارے ہاں پاکستان میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے تھوکنے کو بے ادبی سمجھا جاتا ہے، قرآن کی طرف پیٹھ کرنے کو بے ادبی سمجھا جاتا ہے، قرآن کریم کی طرف ٹانگیں لمبی کرنے کو بے ادبی سمجھا جاتا ہے، اس حاجی نے بات تسلیم کرنے کی بجائے میرے ساتھ بحث کرنا شروع کر دی کہ یہ کون سا ادب ہے؟ ادب تو دل میں ہوتا ہے، احترام تو دل میں ہوتا ہے، اسی طرح کئی مقامات پر حاجیوں کو میں نے دیکھا وہ اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں جو سخت نقصان کی بات ہے، سخت بے ادبی ہے، سخت بے اکرامی ہے، اس سے مسلمان کو گریز کرنا چاہیے۔

اسی طرح ہمارے کچھ مدارس میں طالب علم لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ نہیں سمجھتے کہ ہمیں استاذ درس دے رہے ہیں، استاذ پڑھا رہے ہیں، ہم ہمہ تن گوش متوجہ ہو کر استاذ کی تقریر سنیں، وہ اپنی جیب سے موبائل نکال کر اس پر یا تو کھیلنا شروع کر دیتے ہیں یا پھر دوست احباب کو پیغامات بھیجنا شروع کر دیتے ہیں، اتنی اہم درسگاہ میں بیٹھ کر بھی وہ فیضان حاصل نہیں کر سکتے، اسی لیے کئی مدارس نے درسگاہ میں موبائل فون لے جانے پر سخت پابندی عائد کر رکھی ہے، خصوصاً تصویر والے موبائل جن میں ویڈیوز اور تصاویر کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ ہوتا ہے، جوان طالب علموں کا علمی نقصان کرواتا ہے، استاذ کی تقریر محفوظ کرنے سے انہیں محروم کر دیتا ہے، ویڈیوز اور تصاویر میں ہر قسم کا مواد دستیاب ہوتا ہے، جو شیطانی شکنجوں کو ان کے گرد مضبوط کرتا ہے۔

مگر طالب علموں کی اپنی حکمت عملیوں کے تحت موبائل درس گاہوں میں پہنچ جاتے ہیں، یہ سخت علمی نقصان ہے، علم کی بے قدری اور بے اکرامی ہے، اس سے علم کا نور اور فیضان حاصل نہیں ہو سکتا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا کمال

ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے درس کے دوران طلباء سے پوچھا، بتاؤ! حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اتنے مایہ ناز عالم کیسے بنے؟ طلباء نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق جواب دیا، جس طالب علم کو تفسیر سے شغف تھا، اس نے کہا: حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے مفسر تھے، جس طالب علم کو حدیث سے زیادہ مناسبت تھی، اس نے کہا: حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند پایہ محدث تھے، جس طالب علم کو اشعار سے لگاؤ تھا اس نے کہا: حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے شاعر تھے، حضرت مفتی صاحب خاموش رہے، طلباء نے عرض کیا، حضرت آپ ہی اس سوال کا جواب عنایت فرمادیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت کشمیری کیسے بنے؟ آپ نے جواب دیا، میں کتابوں کے ادب کی وجہ سے حضرت کشمیری بنا، طلباء نے عرض کیا: حضرت کتابوں کا ادب تو اور لوگ بھی کرتے ہیں، فرمایا: جتنا ادب میں کرتا ہوں اتنا ادب شاید نہ کرتے ہوں، میں نے بغیر وضو کبھی کسی دینی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، مطالعہ کے دوران کتاب کو اپنے تابع کرنے کے بجائے اپنے آپ کو کتاب کے تابع کیا، مثلاً بخاری شریف کا مطالعہ کر رہا ہوں اور حاشیہ کی عبارت پڑھنی ہو تو میں کتاب کو اپنی جگہ رہنے دیتا ہوں اور خود اپنی جگہ بدل بدل کر چاروں طرف سے حاشیہ پڑھ لیتا ہوں، میں نے چارپائی پر بیٹھے ہوئے بھی کبھی کتاب کو پاؤں کی جانب نہیں رکھا، ہمیشہ سرہانے کی طرف رکھا ہے، آخر میں فرمایا: کتاب کے ادب نے مجھے انور شاہ کشمیری بنادیا۔

طالب علم کو چاہیے کبھی کسی کتاب پر مستعمل چیز نہ رکھے، ایک صاحب کتاب پر دوات رکھنے کے عادی تھے، ان کے استاذ نے دیکھ کر فرمایا: تم اپنے علم سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ (تربیتی واقعات، ص ٦٦)

ہمارے اساتذہ اور مشائخ نے ہمیشہ اپنی درس گاہوں میں ادب کا درس دیا ہے، کبھی بے ادبی اختیار کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور نہ کبھی اس کا درس دیا ہے۔

باکمال استاذ کی تلاش

علم ایسے شخص سے حاصل کرنا چاہیے جس کی اہلیت اور صلاحیت کامل طور پر مانی ہوئی ہو، اس کی دیانت، راست بازی، علم کی معرفت پورے طور پر سب کے نزدیک درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہو، اس لیے کہ بزرگانِ دین کہتے ہیں یہ علم دین ہے اس لیے دیکھنا چاہیے کہ یہ کس سے حاصل کیا جا رہا ہے۔

امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ یہ علم دین کا علم ہے، اس لیے خوب غور کرو کہ تم یہ علم کس سے حاصل کرتے ہو، اسی کے ساتھ شاگرد کو چاہیے کہ وہ استاذ کو احترام واکرام کی نگاہ سے دیکھے، اس کی اہلیت اور صلاحیت کا اعتراف کرے اور یہ خیال راسخ کرلے کہ یہ استاذ ہمیں پوری طرح فائدہ پہنچا سکتا ہے، سلف صالحین کے زمانے میں یہ دستور رہا ہے کہ جب شاگرد استاذ کے پاس جاتے تو کچھ ہدیہ پیش کرتے اور اپنے استاذ کے حق میں یہ دعا بھی کرتے کہ اے میرے اللہ! میرے استاذ کے عیبوں کو میری نظروں سے پوشیدہ رکھنا، اس کے علم کی برکت کو مجھ سے دور نہ کیجیے۔

حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کبھی پانی پینے کی جرأت نہیں کی، اس درجہ ان کی ہیبت کا ان پر غلبہ تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طالب علم کے لیے یہ نصیحت فرمائی کہ جب وہ استاذ کے پاس جائے تو عام سلام کے علاوہ اپنے استاذ کے لیے دعائیہ کلمات بھی کہے، اس کی برکت کے لیے دعا کرے، اس کے

سامنے ادب کے ساتھ بیٹھے، اس کے سامنے کسی قسم کا اشارہ و کنایہ نہ کرے، استاذ کو یہ تک نہ کہے کہ آپ کے قول کے خلاف یہ قول ہے، استاذ کے سامنے کسی کی غیبت بھی نہ کرے، اگر استاذ پڑھا کر اٹھ کھڑا ہو تو اس کے کپڑوں کو نہ پکڑے کہ اور پڑھا دیجیے، اگر پڑھانے میں استاذ کو کسی قسم کی سستی آجائے تو شاگرد کو اصرار نہیں کرنا چاہیے، کافی دیر تک استاذ کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے طالب علم کو گھبرانا نہیں چاہیے، استاذ کی غیبت اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے سے باز رہے، اگر غیبت، بد گوئی اور استاذ کے خلاف پروپیگندے سے باز نہیں آسکتا تو استاذ کے درس سے علاحدہ ہو جائے۔

اُستاذ کی مجلس کا ادب و احترام

طالب علم نے اگر اپنے اندر علم کی دنیا آباد کرنی ہے تو اس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنے کو سراپا عجز و انکسار بنالے، استاذ کا ادب و احترام ہمہ وقت اس کے پیش نظر ہو، جب استاذ کی مجلس میں طالب علم آئے تو تمام تر آداب ملحوظ رکھ کر آئے۔

استاذ جب کسی ایسی جگہ پر بیٹھا ہو جہاں اجازت لے کر آنا ضروری ہو تو وہاں بلا اجازت استاذ کے پاس نہ آئے، جب اجازت مل جائے تو استاذ کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے ہوں ان سب کو سلام کرے، مگر استاذ کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے اسے دعائیں دے، جب مجلس سے واپسی ہو تو استاذ کو بھی سلام کرے اور اس مجلس میں بیٹھنے والے دوسرے لوگوں کو بھی سلام کرے۔

آنے اور جانے کے دوران لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے، جہاں اسے جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے، ہاں اگر استاذ اسے اجازت دے یا حکم دے تو آگے آکر بیٹھے، کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے، اگر کوئی اسے ترجیح دے ہی دے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح کرے یعنی پھر بھی آگے نہ بڑھے۔

اگر حاضرین کی مصلحت یہی ہے کہ وہ آگے بڑھے یا استاذ کا حکم ہو تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے، دائرے کے بیچ میں نہ بیٹھے، ہاں اگر ضرورت پڑے تو بیٹھ سکتا ہے،

دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے، اگر وہ دونوں اس کے بیٹھنے کی گنجائش پیدا کر دیں تو بیٹھ جائے اور اپنے کو سمیٹ لے۔ (التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

نبی کریم ﷺ اللہ کے نبی اور رسول تھے، ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ صحابہ کرام کے استاذ بھی تھے، آپ ﷺ نے اپنے لیے فرمایا کہ مجھے استاذ بنا کر بھیجا گیا ہے، آپ ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام ادب و احترام ملحوظ رکھ کر بیٹھا کرتے تھے، اس طرح خاموشی سے بیٹھا کرتے کہ اگر ان کے سروں پر پرندے بھی بیٹھے ہوتے تو وہ حرکت نہ کرتے، اللہ نے آپ ﷺ کے آداب میں یہ چیز شامل کر دی تھی کہ آپ ﷺ کے سامنے کوئی بھی اونچی آواز سے نہ بولے، ورنہ اس کے سارے عمل ضائع ہو جائیں گے، ایک صحابی تو محض اس لیے گھر میں دبک کر بیٹھ گئے تھے کہ ان کی آواز قدرتی طور پر اونچی تھی کہ کہیں میرے عمل تباہ نہ ہو جائیں۔

دوسرے طالب علموں سے عمدہ تعلقات

آج کل کئی مقامات پر تربیت کا فقدان ہے، جس کے باعث طالب علم نہ علم کی قدر پہچانتے ہیں، نہ اپنی قدر پہچانتے ہیں اور نہ ہی علم حاصل کرنے والوں کی قدر پہچانتے ہیں اور ایسا کرنا سخت نقصان کا باعث ہے، حالانکہ علم کی قدر کرنا، طالب علم کی قدر کرنا، اپنے طالب علم ساتھیوں کی قدر کرنا گویا استاذ ہی کا ادب کرنا ہے۔

علامہ شرف الدین نووی لکھتے ہیں کہ

طالب علم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اور استاذ کی مجلس کے لوگوں کے ساتھ ادب سے پیش آئے، ایسا کرنا استاذ کے ساتھ مؤدب ہونا ہے، استاذ کی مجلس کی عزت افزائی ہے، استاذ کے سامنے کسی باادب شاگرد کی طرح بیٹھے استاذ کی طرح نہ بیٹھے، بلا ضرورت آواز اونچی نہ کرے، ہنسنے سے گریز کرے، فضول گفتگو سے اجتناب کرے، اپنے ہاتھوں سے بیکار کام نہ کرے، دائیں بائیں بلا ضرورت توجہ نہ کرے، بلکہ ہمہ تن گوش استاذ کی طرف سے متوجہ ہو کر اس کی باتیں سنے، اسی کی طرف دھیان رکھے۔ (التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

طالب علم کو مزاج شناس ہونا چاہیے

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

شاگرد کو چاہیے کہ سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھے کہ جب استاذ کا دل مشغول ہو، ملول ہو، استاذ جماہی لے رہا ہو، کوئی غم یا خوف ہو، یا خوشی ہو یا پیاس ہو، یا اونگھ آرہی ہو، یا کوئی اور صدمہ اور قلق کی بات ہو کہ جو استاذ کے حضور قلب پر اثرانداز ہوتی ہو یا بہت خوش ہو کہ جس سے قلب میں طمانیت باقی نہ ہو تو اس سے نہ پڑھے بلکہ رک جائے اور استاذ کے نشاط کو غنیمت سمجھے اور شاگرد کے فرائض اور آداب میں سے یہ بھی ہے کہ استاذ کی زیادتی اور سختی کو برداشت کرتا رہے اور اس کی محبت کو ترک نہ کرے اور نہ اس کے بارے میں جو اعتقاد رکھتا ہے، فرق آئے۔

استاذ کے ان اعمال اور افعال کی بہترین توجیہ کرے، جس سے بظاہر فساد معلوم ہوتا ہو، اس سے وہی شاگرد عاجز رہے گا جس کو کم توفیق ملی ہے، ورنہ بہترین تاویل ہو سکتی ہے، اگر استاذ نے زیادتی کر دی تو پہلے استاذ کو حق بجانب سمجھ کر اپنے کو خطاوار گردانے، یہی چیز شاگرد کے لیے دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ نفع بخش ہو گی اور استاذ کے دل میں اس کے لیے جگہ ہو جائے گی۔

سلف نے خوب بات فرمائی ہے کہ جو شاگرد استاذ کی سختی برداشت کرنے کے لیے اپنے کو تیار نہیں کرتا وہ تمام عمر جہالت کے اندھیرے میں رہے گا اور جس نے برداشت اور صبر سے کام لیا اس کی دنیا اور آخرت بہتر ہو جائے گی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے علم حاصل کرنے کے لیے ذلت برداشت کی وہ طالب علم عزت کے ساتھ اپنے مطلوب تک پہنچے گا، کسی نے بہت خوب کہا:

مَن لَّم يَذُق طَعمَ المَذَلَّةِ سَاعَةً * قَطَعَ الزَّمَانَ بِأَسرِهِ مَذلُولاً

جس نے پڑھنے میں تھوڑی سی ذلت بھی برداشت نہیں کی تو ایسا شخص عمر بھر ذلت اٹھاتا رہے گا۔

استاذ اپنے شاگرد کے لیے انتہائی مہربان اور شفیق ہوتا ہے وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ اپنی اولاد جیسا سلوک کرتا ہے، ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے، ان کی علمی ضروریات کو پورا کرتا ہے، ان کی ایسی تربیت کرتا ہے جس کی بدولت انہوں نے مستقبل میں امت کے سامنے اپنا کردار پیش کرنا ہے، اس تربیت کے دوران طالب علم کی خامیوں پر نظر رکھنا استاذ کے فرائض کا حصہ ہوتا ہے، وہ اپنے شاگرد میں حتی الوسع کسی قسم کی کوتاہی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

اس تربیت کے دوران بعض کم نصیب طالب علم استاذ کی معمولی سی ڈانٹ ڈپٹ بھی برداشت نہیں کرتے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ساری زندگی ناکامی کے ساتھ گزار دیتے ہیں، لیکن جو طالب علم استاذ کی کڑوی کسیلی اس لیے برداشت کرتے ہیں کہ استاذ نے ایسا میرے فائدے کے لیے ہی کیا ہے، استاذ کو میرے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے، تو ایسے طالب علم ہی کمال تک پہنچتے ہیں، بڑی عزت اور ٹھاٹھ کی زندگی بسر کرتے ہیں، اللہ ان کے فیضان کو عام کرتا ہے، ان سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے، ان کی مثال اس زرخیز زمین کی طرح ہے جو اپنے اندر پانی جذب کرتی ہے اور اس کے عوض وہ سبزہ دیتی ہے، یہ طالب علم طالب علمی کا زمانہ جیسا کیسا ہوتا ہے گزارتا ہے، بعد میں اللہ اسی کی بدولت اسے مخلوق کے لیے نافع بناتے ہیں۔

کثرتِ علم کا شوق

طالب علم کو پڑھنے کا بہت زیادہ شوق ہونا چاہیے، وہ زیادہ علم حاصل کرنے کے مواقع کو چھوڑ کر تھوڑے پر قناعت نہ کرے اور جس چیز کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کا بوجھ اپنی ذات پر نہ ڈالے، جب طالب علم استاذ سے ملاقات یا استفادے کے لیے آئے اور استاذ کو وہاں نہ پائے تو دلبر داشتہ نہ ہو بلکہ انتظار کرے، اتنی دیر ان کے دروازے پر موجود رہے، ہاں اگر استاذ اس طریقے کو پسند نہیں کرتا تو پھر کھڑا رہنے کی ضرورت نہیں ہے، اس بات

کا اندازہ اس کو استاذ کے دوران درس معلوم ہو جائے گا، کہ استاذ کا مزاج کیسا ہے اور وہ کس بات کو پسند کرتا ہے، اپنے استاذ کے ہوتے ہوئے دوسرے سے پڑھنے کے لیے نہ جائے، اگر استاذ سورہے ہوں یا کسی کام میں مشغول ہوں تو شاگرد انہیں آنے کی زحمت نہ دے، بلکہ ان کے بیدار ہونے اور کام سے فارغ ہونے کا انتظار کرے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر کا یہی طریقہ رہا ہے، طالب علم اپنے کو علم کے حصول کے لیے ڈال دے ،فرصت اور نشاط، بدن کی توانائی، دل کی صفائی اور مشاغل کی کثرت اور بلند مراتب پر پہنچنے سے پہلے طالب علم کو سمجھ بوجھ حاصل کرنا چاہیے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ

تفقهوا قبل أن تسودوا

علم میں سمجھ حاصل کرو سردار بننے سے پہلے، یعنی اپنے اندر پوری پوری صلاحیت پیدا کر لو، کیونکہ پہلے تم کسی کی پیروی کرتے تھے اب تمہاری پیروی کی جائے گی، جب بڑے بن گئے تو پھر بہت زیادہ مصروفیات کی وجہ سے اور بلند مرتبے پر پہنچنے کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکو گے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ

تفقه قبل أن ترأس فإذا رأست فلا سبيل إلى التفقه

سردار بننے سے پہلے علم میں سمجھ بوجھ حاصل کرو۔ (التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

یہ بات تجربے میں بھی آچکی ہے کہ جب انسان کی مشغولیات بڑھ جاتی ہیں، خلق کا بڑے لوگوں کی طرف رجوع ہو جاتا ہے تو مشاغل بہت زیادہ ہو جاتے ہیں، جس کے باعث انسان کو مطالعہ کی فرصت نہیں ملتی۔

دن کے ابتدائی حصہ میں علم کا حصول

طالب علم کو چاہیے کہ وہ دن کے ابتدائی حصہ میں علم حاصل کرے، کیونکہ صبح کے وقت کو حدیث شریف میں برکت والا وقت قرار دیا گیا ہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ بَارك لأُمَّتي في بكُورهَا

اے اللہ! میری امت کے صبح کے وقت میں برکت عطا فرما۔

ہمارے ہاں دو قسم کے تعلیمی ادارے متعارف ہیں، ایک جن کو ہم سکول کہتے ہیں اور دوسرے دینی مدارس، سکولوں میں بچے اس وقت نہیں آتے جس کی برکت کی دعا کی گئی ہے، بلکہ وہ تھوڑی تاخیر سے پہنچتے ہیں، جب کہ مدارس میں طلباء کی تعلیم کہیں نماز فجر سے پہلے ہوتی ہے، کہیں نماز فجر کے متصل بعد ہوتی ہے، اس لیے جہاں کہیں کوتاہی اور کمی بیشی ہے اسے اس حدیث کی روشنی میں ہمیں دور کرنا چاہیے، بعض تعلیمی ادارے شام کی کلاسیں پڑھاتے ہیں وہ بھی اس حدیث کا مصداق نہیں ہیں، البتہ جہاں کہیں علم کی اشاعت وترویج کی جاتی ہے وہ علم کے فضائل کے مصداق ہیں۔

طالب علم حسد سے بچے

آج کل ہمارے ہاں ایک بیماری عام ہے جسے حسد کی بیماری کہا جاتا ہے، بلکہ قرآن کریم کی آیات اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں حسد کی مذمت دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیماری قدیمی ہے، اسی لیے تو اس کا تذکرہ قرآن اور نبوی نصوص میں موجود ہے، حسد اس بیماری کو کہتے کہ انسان کسی کی خوبیوں کو دیکھ کر پریشان ہو جائے، اس سے ان خوبیوں کے سلب ہو جانے، چھن جانے یا ضائع ہو جانے کی آرزو کرے، یہ ایسی بیماری ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

اس لیے قرآن کریم پڑھنے والے طالب علم کو چاہیے کہ وہ کسی دوسرے طالب علم کی کسی خوبی کو دیکھ کر رشک تو کرے مگر حسد نہ کرے، اس سے چھن جانے کی خواہش نہ رکھے، بلکہ اس کے پاس موجود نعمت کے دوام کے لیے دعا کرے اور اپنے کو یہ بات سمجھائے کہ علم، خوبی اور کمال یہ کہیں سے چھین کر نہیں حاصل ہوتا بلکہ کمالات اور خوبیاں عطا کرنے والی ذات اللہ کی ہے، وہ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، ساری

خوبیوں اور کمالات کے خزانے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس سے چھینے نہیں جا سکتے، جن کو اس نے ان کمالات سے نوازا ہے یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے، یہ خوبیاں اور کمالات اس کو اسی ذات عالی نے بخشے ہیں، اس نے خود ایجاد نہیں کیے، اس لیے اس بیماری سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یوں خیال کرے کہ اللہ کی حکمت کے تحت ہی اسے یہ خوبیاں ملی ہیں۔

حافظ قرآن کو کیسا ہونا چاہیے؟

حافظِ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی دولت عطا کی ہے، جو اس عظیم کتاب کو اپنے سینے کے سفینے میں محفوظ رکھتا ہے، یہ دولت خوش نصیبوں کو ہی ملا کرتی ہے، اس لیے حافظ قرآن کو چاہیے کہ وہ اس کتاب کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے، قرآن کریم نے جن جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے اپنے کو بہت ہی دور رکھے، ایسا کرنا قرآن کریم کی بزرگی کا اعتراف ہے، رذیل اور گھٹیا چیزوں سے ہمیشہ احتراز کرے، دنیا میں کچھ لوگ ایسے اس کے سامنے ہوں گے جو تکبر اور غرور میں مبتلا ہوں گے، ان سے اپنے کو اونچا رکھے، نیک لوگوں کے ساتھ عاجزی اور انکساری سے پیش آئے، مسکینوں، فقیروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان نقل کیا ہے ، جس میں انہوں نے حفاظ اور رقراء کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا،

يَا مَعشَرَ القُرَّاء اِرفَعُوا رُؤُوسَكُم فَقَد وَضَحَ لَكُم الطَّرِيقُ فَاستَبِقُوا الخَيرَاتِ لَا تَكُونُوا عَيالاً عَلَى النَّاسِ(التبيان فی آداب **حملة القرآن**)

اے گروہ قراء! تم لوگ اپنے سروں کو اونچا رکھو، بے شک تمہارے لیے راستہ واضح ہو چکا ہے، نیکی کی طرف آگے بڑھو اور لوگوں پر بوجھ نہ بنو۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے

يَنْبَغِي لِحَامِلِ الْقُرْآنِ أَنْ يُعْرَفَ بِلَيْلِهِ، إِذَا النَّاسُ نَائِمُونَ، وَبِنَهَارِهِ يَصُومُ إِذَا النَّاسُ مُفْطِرُونَ، وَبِحُزْنِهِ إِذَا النَّاسُ يَفْرَحُونَ، وَبِبُكَائِهِ إِذَا النَّاسُ يَضْحَكُونَ، وَبِخُشُوعِهِ إِذَا النَّاسُ يَخْتَالُونَ، وَيَنْبَغِي لِحَامِلِ الْقُرْآنِ أَنْ يَكُونَ بَاكِيًا، حَزِينًا، حَلِيمًا، سَكِينًا، لَيِّنًا، وَلَا يَنْبَغِي لِحَامِلِ الْقُرْآنِ، أَنْ يَكُونَ جَافِيًا، وَلَا غَافِلًا، وَلَا صَيَّاحًا , وَلَا حَدِيدًا

حافظِ قرآن کے لیے یہ بات مناسب ہے کہ وہ اپنی رات کی وجہ سے پہچانا جائے، جب لوگ سو رہے ہوں، اور اپنے دن میں روزے کی وجہ سے پہچانا جائے جب لوگ بے روزے ہوں، وہ اپنے غم کی وجہ سے پہچانا جائے جب کہ لوگ خوش ہو رہے ہوں، وہ اپنے رونے کی وجہ سے پہچانا جائے جب کہ لوگ ہنس رہے ہوں، وہ اپنی عاجزی کی وجہ سے پہچانا جائے جب کہ لوگ تکبر کر رہے ہوں، حافظِ قرآن کے لیے مناسب ہے کہ وہ رونے والا ہو، وہ غم گین ہو، وہ بردبار ہو، وہ باوقار ہو، وہ نرم خو ہو، غافل نہ ہو، چیخ و پکار کرنے والا نہ ہو اور نہ ہی وہ سخت ہو۔ (تنبیہ الغافلین ج۱ص ۴۲۲)

اسی طرح حضرت حسن بن علی المرتضی رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مَن كَانَ قَبلَكُم رَأَوُا القُرآنَ رَسَائِلَ مِن رَّبِّهِم فَكَانُوا يَتَدَبَّرُونَهَا بِاللَّيلِ وَيَتَفَقَّدُونَهَا فِي النَّهَار (التبيان فی آداب **حملة القرآن**)

تم سے پہلے والے لوگوں نے قرآن کریم کو اپنے رب کی طرف سے خط اور پیغام سمجھ کر اس میں غور و حوض کیا، راتوں کو وہ لوگ اس میں غور و فکر کرتے تھے اور دن کو اس کی تلاش میں سر گرداں رہتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

يَنبَغِي لِحَامِلِ القُرآنِ أن لَّا تَكُونُ لَهُ حَاجَةٌ إِلٰى أَحَدٍ مِّنَ الخُلَفَاءِ فَمَن دُونَهُم فينبغي أن تكون حوائج الخلق إليه (احياء علوم الدين امام غزالی ج۱ص ۲۷۴)

حافظ قرآن کے لیے مناسب ہے کہ وہ کسی ضرورت کی خاطر حکمرانوں کے پاس نہ جائے، اس پر کم درجہ کے لوگوں کو سمجھ لیا جائے، مناسب یہ ہے کہ لوگ اپنی ضروریات سے متعلق حامل قرآن سے رجوع کریں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہی کا فرمان ہے کہ

حَامِلُ القُرآنِ حَامِلُ رَايَةِ الإِسلَامِ لَا يَنبَغِي أَن يَّلهُو مَعَ مَن يَّلهُو وَلَا يَسهُو مَعَ مَن يَّسهُو وَلَا يَلغُو مَعَ مَن يَّلغُو تَعظِيماً لِحَقِّ القُرآنِ(احیاء العلوم ج۱ص ۲۷۴)

حافظِ قرآن اسلام کا علمبر دار ہے، اس لیے اس کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ لہو ولعب میں مصروف لوگوں کے ساتھ لہو ولعب میں مصروف ہو جائے، غافلوں کے ساتھ غافل نہ ہو جائے، بے ہودہ گو لوگوں کے ساتھ بے ہودہ گو نہ ہو جائے، یہ سب کچھ حقِ قرآن کی تعظیم کے لیے ہے۔

حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

إِذَا قَرَأَ الرَّجُلُ القُرآنَ قَبَّلَ المَلَكُ بَينَ عَينَيهِ(احیاء العلوم)

جب آدمی تلاوت کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیتا ہے۔

آج کل حفاظ قرآن میں بہت زیادہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، اس لیے کہ انہوں نے قرآن کریم تو نوک زبان سے یاد کرر کھا ہوتا ہے، انہیں قرآن یاد بھی ہوتا ہے، اس کو از بر کیا ہوتا ہے، مگر اس قرآن میں لکھا ہوا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس میں ہمیں کیا پیغام دے رہے ہیں اس سے آج کے حفاظ کو کوئی سروکار نہیں ہے، جس سے ان سے کوتاہیوں کا صدور ہوتا ہے۔

اس لیے میرے خیال میں ان حفاظ کرام کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم کا ترجمہ بھی سیکھیں، کسی ماہر استاذ کے پاس چند ماہ گزاریں تاکہ وہ اس میں موجود پیغام کا انہیں ترجمہ بتائے، صرف الفاظ کو زبانی یاد کر لینے سے قرآن کریم میں موجود علم سے آگاہی ناممکن ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مادری زبان عربی تھی اس لیے وہ اسے کو سنتے ہی سمجھ لیتے تھے، علماء کرام نے کئی کئی سال اس کو سمجھنے میں گزار دیے ہوتے ہیں، عربی گرائمر سیکھتے ہیں، علم کے مبادی سیکھتے ہیں، پھر کئی سالوں کی کاوش و کوشش کے بعد جا کر قرآن کریم سمجھ میں آتا ہے۔

قرآن فروشی سے اجتناب

حافظِ قرآن، عالمِ قرآن، حاملِ قرآن کو چاہیے کہ کتاب ہدیٰ قرآن کریم کے ساتھ سچی محبت رکھے، اس کی حرمت اور تعظیم کا خیال کرے، قرآن فروشی سے مکمل اجتناب کرے، قرآن کریم نے جن لوگوں کی مذمت کی ان میں وہ لوگ شامل ہیں جو قرآن کریم کو تھوڑے مول کے عوض فروخت کرتے تھے، قرآن کریم بتاتا ہے کہ کچھ لوگ قرآن کو تھوڑے مول کے بدلے میں فروخت کرتے تھے، اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس سال جنگ تبوک ہوئی، اس سال نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا، آپ ﷺ کھجور کے درخت کے ساتھ سہارا لگائے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ وَشَرِّ النَّاسِ، إِنَّ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ: رَجُلًا عَمِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَلَى ظَهْرِ فَرَسِهِ - أَوْ عَلَى ظَهْرِ بَعِيرِهِ، أَوْ عَلَى قَدَمَيْهِ - حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمَوْتُ، وَإِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ: رَجُلًا فَاجِرًا جَرِيئًا، يَقْرَأُ كِتَابَ اللهِ وَلَا يَرْعَوِي إِلَى شَيْءٍ مِنْهُ

کیا میں تمہیں لوگوں میں سے بہترین اور برے آدمی کی خبر نہ دوں؟ بے شک لوگوں میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنے گھوڑے کی پشت پر اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے، یا اپنے اونٹ کی پشت پر، یا اپنے قدموں پر، یہاں تک کہ اسے موت آجاتی ہے، اور لوگوں میں سے برا وہ آدمی ہے جو گناہ کرتا ہے، جسارت کرتا ہے، اللہ کی کتاب پڑھتا ہے مگر کسی چیز سے احتراز نہیں کرتا۔ (مسند احمد بن حنبل مسند ابی سعید خدری)

حضرت نبی کریم ﷺ نے نہی کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِقرؤُوا القُرآنَ وَلَا تَأكُلوا بِهِ وَلَا تجفُوا عَنهُ وَلَا تَغلُوا فِيهِ(التبيان)

قرآن کریم کو پڑھو، مگر اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ، اس پر ظلم نہ کرو اور اس میں غلو نہ کرو۔

مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ پر ایک روایت ابی عبید رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کی گئی ہے کہ

تَعَلَّمُوا القُرآنَ، وَاسأَلُوا الله بِهِ قَبلَ أَن يَتَعَلَّمَهُ قَومٌ يَّسأَلُونَ بِهِ الدُّنيَا، فَإِنَّ القُرآنَ

يَتَعَلَّمَهُ ثَلَاثَةُ نَفَر:رَجُلٌ يُّبَاهِي بِهِ، وَرَجُلٌ يَّستَأكِلُ بِهِ، وَرَجُلٌ يَّقرَؤُهُ لله عَزَّ وَجَلَّ

قرآن کریم سیکھو اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مانگو، اس سے پہلے کہ ایسے لوگ آکر اسے سیکھیں جو اس کے ذریعے دنیا مانگیں، اس لیے کہ قرآن کریم تین قسم کے لوگ سیکھتے ہیں ایک وہ جو اس کے ذریعے فخر کرتا ہے، دوسرا وہ جو اس کے ذریعے کھاتا ہے، تیسرا وہ جو اس کو اللہ کے لیے پڑھتا ہے۔

اسی کے ساتھ ملتی جلتی ایک روایت حضرت جابر نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ

اِقرؤُوا القُرآنَ مِن قَبلِ أَن يَّأتِي قَومٌ يُقيمُونَهُ إِقَامَةَ القَدحِ يَتَعَجَّلُونَهُ وَلَا يَتَأَجَّلُونَهُ

قرآن کریم کو اس سے پہلے پہلے پڑھ لو کہ ایک قوم آئے اور وہ اسے پیالے کی طرح بنالے، اس کے ذریعے دنیا حاصل کریں گے اور آخرت حاصل نہیں کریں گے۔

یہاں دنیا حاصل کریں گا کا مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ اس پر اجرت لیں گے، مال کے ذریعے یا شہرت کے ذریعے یا اس کی طرح کی کوئی اور چیز۔(التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

حضرت فضیل بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ کی ایک منقطع روایت علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی التبیان میں نقل فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ

نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دو شخص مسجد میں داخل ہوئے، جب امام سلام پھیر چکا تو ان میں سے ایک آدمی اٹھا، پھر قرآنی آیات کی تلاوت کی، پھر لوگوں سے سوال کیا، ان میں سے ایک شخص نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون، میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

سَيَجِئُ قَومٌ يَّسأَلُونَ بِالقُرآنِ فَمَن سَأَلَ بِالقُرآنِ فَلَا تُعطُوهُ

عنقریب ایک قوم آئے گی جو قرآن کا نام لے کر سوال کرے گی، جو شخص قرآن کریم کا نام لے کر سوال کرے تو اسے مت دو۔

نماز پڑھانے، قرآن کریم پڑھانے، دینی احکامات لوگوں کو بتانے پر اجرت اور مزدوری نہیں لینا چاہیے اور نہ ہی علماء امت نے اسے جائز سمجھا ہے، اس لیے کہ یہ مسلمان

کے فرائض میں سے ہے کہ وہ دین اسلام کی خدمت کرے، ہاں علماء کرام کہتے ہیں کہ جو لوگ اپنے کو اس کام کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں دیگر لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی خدمت کریں اور ان کی ضروریات کا خیال رکھیں تاکہ اللہ کی کتاب کی اشاعت ہو، دین کی تشہیر ہو، ان لوگوں نے جو وقت اس کام کے لیے صرف کیا ہے اس کا معاوضہ دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

تلاوتِ قرآن میں اکابرینِ امت کا معمول

حفاظِ قرآن کریم کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم کی برابر تلاوت کرتے رہیں اور اس میں اضافہ بھی کرتے رہیں، اہل علم و قلم نے بزرگانِ دین کے معمولات قلم بند کیے ہیں کہ وہ کس طرح ایک معمول بنا کر قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، دن رات میں انہوں نے قرآن کریم پڑھنے کا اور اسے مکمل کرنے کا ایک معمول بنا رکھا تھا۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے الطبقات الکبریٰ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ

كَانَ يَختِمُ القُرآنَ فِي كُل رَكْعَةٍ كَثِيراً،(طبقات الکبریٰ ج١ ص ١٧)

وہ بہت دفعہ ایک ہی رکعت میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔

مسلم شریف کے شارح اور حدیث کی مشہور کتاب ریاض الصالحین کے مصنف علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التبیان میں چیدہ چیدہ اور چنیدہ چنیدہ واقعات ذکر کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ

حضرات سلف رحمۃ اللہ علیہم کا اس سلسلہ میں طریقہ مختلف رہا ہے، ابن ابی داؤد سے مروی ہے کہ بعض سلف کا دستور یہ تھا کہ ہر دو ماہ میں ایک قرآن کریم مکمل کرتے تھے، بعض سلف ایک ماہ میں ایک ہی قرآن کریم مکمل کرتے تھے، بعض اسلاف ہر دس راتوں میں ایک قرآن مکمل کرتے تھے، بعض آٹھ راتوں میں، بعض سات راتوں میں، بعض چھ راتوں میں، بعض پانچ راتوں میں، بعض چار راتوں میں، بعض تین راتوں میں، بعض دو راتوں میں،

بعض ایک رات میں اور بعض ایک دن اور رات میں قرآن کریم مکمل کر لیتے تھے۔ (التبیان)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بعض سلف ایک دن اور ایک رات میں دو قرآن کریم مکمل کرتے تھے، بعض تین بھی ختم کرتے تھے، بعض آٹھ بھی ختم کر لیتے تھے، چار رات کو اور چار ہی دن کو، جو لوگ رات اور دن میں ایک ختم کرتے ان میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ رات میں چار قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔

بعض حضرات تین ختم کرتے تھے، ان میں سلیم بن عمر قاضئ مصر جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانے میں تھے۔ (التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

ابو عبدالرحمن السلمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے شیخ ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابن الکاتب رات کو چار ختم اور دن کو چار ختم کیا کرتے تھے، یہ ان لوگوں کی تعداد ہے جن کے بارے میں منقول ہے کہ وہ دن اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

شیخ خلیل احمد دورقی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ظہر اور عصر کے درمیان میں ایک قرآن کریم ختم کر لیا کرتے تھے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء کے درمیان دو ختم کرنا منقول ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ عشاء کی نماز کو چوتھائی رات تک رمضان میں مؤخر کرتے تھے۔ (التبیان)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ حضرت علی ازدی رحمۃ اللہ علیہ رمضان کی ہر رات میں مغرب اور عشاء کے درمیان ختم کیا کرتے تھے۔ (التبیان)

حضرت ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد اکڑوں بیٹھ کر اور ٹانگوں کو باندھ کر قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ (التبیان)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ میں ہر رکعت میں ایک قرآن کریم ختم کر دیتے تھے ، ایک ہفتہ میں قرآن کریم ختم کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ، ان میں عبد الرحمن بن یزید رضی اللہ عنہ، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

قرآن والوں کے اوقات میں اس قدر برکت

انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے کہ قرآن کے ساتھ محبت رکھنے والے ایک ایک رات میں دو دو اور چار چار قرآن کریم ختم کر دیتے تھے ، بعض ایک ایک رکعت میں پورا قرآن کریم ختم کر دیتے تھے، بعض عصر اور عشاء کے درمیان مکمل کر لیتے تھے،اس پر کچھ لوگوں کا اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے ؟اس اشکال کا جواب شارح مسلم شرف الدین امام نووی نے تحریر کیا ہے،وہ فرماتے ہیں کہ یہ تلاوت زبانی نہ تھی بلکہ روحی تھی، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں برکت دی تھی اور ایسا ہونا ممکن ہے اور انکار نہ کرنا چاہیے،امام غزالی وغیرہم کی کثرت تصانیف کی معقول توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ نے ان کے اوقات میں برکت عطا فرمائی تھی۔(التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جماعت کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس کے نزدیک ایک دن اور ایک رات میں ختم کرنا مکروہ ہے۔(التبیان)

ایک ماہ میں ختم قرآن یا سات دن میں ؟

انسان کے ایمانی جذبات کا تقاضا ہے کہ وہ ہمہ وقت قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہے، دنیوی اشغال و مصروفیات اپنی جگہ پر مگر صاحب ایمان کا ایمان چاہتا ہے کہ وہ اللہ کے پاک کلام کی تلاوت کرتا ہی رہے ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں اس سلسلہ میں راہنمائی ملتی ہے کہ یہ سعادت سمیٹنے کے لیے انسان کو ایک ماہ میں قرآن کریم ختم کر لینا چاہیے اور نہیں تو کم از کم ایک ہفتے میں مکمل کر لیا کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا

يَا رَسُولَ اللَّهِ، فِي كَمْ أَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قَالَ: «فِي شَهْرٍ» ، قَالَ: إِنِّي أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ، يُرَدِّدُ الْكَلَامَ أَبُو مُوسَى، وَتَنَاقَصَهُ حَتَّى قَالَ: «اقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ» ، قَالَ: إِنِّي أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: «لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَهُ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

یارسول اللہ! میں کتنے دنوں میں قرآن کریم پڑھوں ؟آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک مہینہ میں پڑھو، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کلام کو دہرایا گویا کہ وہ ان کی ہمت کو کم سمجھ رہے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سات دنوں میں پڑھ لیا کرو، انہوں نے فرمایا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی تین دن سے کم میں قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس نے قرآن سمجھا ہی نہیں ہے۔

ابوداؤد شریف میں چالیس دن، ایک ماہ، بیس دن اور پندرہ دن کے بعد سات دن میں مکمل کرنے کا بھی ذکر موجود ہے۔

تلاوت کی ابتدا اور اختتام کے اوقات

جو شخص ایک ہفتے میں قرآن کریم ختم کرنے کا شوق رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ جمعہ کی رات کو شروع کردے اور جمعرات کو ختم کردے، جیسے حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ کی رات کو شروع کرتے اور جمعرات کو ختم کردیتے تھے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایہ ناز کتاب احیاءعلوم الدین میں لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ رات میں ایک ختم کرے اور دن میں ایک ختم کیا جائے، دن والے قرآن کو پیر کے دن فجر کی دو رکعت سنتوں میں اور رات والے قرآن کو جمعرات مغرب کی دو رکعتوں میں ختم کرے یا ان کے بعد، تاکہ اول اور آخر دن کا استقبال ہو جائے۔

عمر بن مرہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ ختم قرآن کو اول دن اور اول رات میں پسند کرتے تھے۔

حضرت طلحہ بن معرف تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ختم قرآن دن کے کسی حصہ میں کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اسی طرح رات کے کسی وقت میں قرآن پڑھنا فرشتوں کے استغفار کا باعث ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

إِذَا وَافَقَ خَتْمُ الْقُرْآنِ أَوَّلَ اللَّيْلِ، صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ حَتَّى يُصْبِحَ، وَإِنْ وَافَقَ خَتْمُهُ آخِرَ اللَّيْلِ، صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ حَتَّى يُمْسِيَ، فَرُبَّمَا بَقِيَ عَلَى أَحَدِنَا الشَّيْءُ فَيُؤَخِّرَهُ حَتَّى يُمْسِيَ أَوْ يُصْبِحَ (مسندالدارمی باب فی ختم القرآن)

اگر قرآن کریم رات کے ابتدائی حصہ میں ختم ہو تو صبح تک فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، اگر رات کے آخری حصہ میں ختم ہو تو شام تک فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم میں سے کسی کے ذمہ کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہے اسے پھر وہ شام تک یا صبح تک مؤخر کر دیتے ہیں۔

حضرت حبیب بن ابی ثابت تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ رکوع کرنے سے پہلے ہی قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔(منقول از التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

رات کی تاریکی میں تلاوت

رات کی تاریکی جب چھا جاتی ہے تو اس وقت کچھ لوگ اللہ کے ساتھ مناجات کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں، رات کی عبادت کو دن کی عبادت سے اس لحاظ سے برتری حاصل ہے کہ اس کے بارے میں کہیں صراحت سے اور کہیں اشارے سے تاکیدی حکم دیا گیا ہے، سورۃ المزمل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے کچھ حصے میں قیام کا حکم دیا گیا ہے، سورۃ بنی اسرائیل میں تہجد کا حکم دیا گیا ہے، کہیں رات کے حصے میں عبادت کا حکم موجود ہے، جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ رات کی تاریکی میں عبادت اللہ کو کس قدر پسند ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اس طبقے کا ذکر فرمایا جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر نبی

کریم ﷺ کی ذات پر ایمان لا چکا تھا، آپ ﷺ کی کتاب پر ایمان لا چکا تھا، رات کی تاریکی میں اٹھ کر وہ بارگاہ ایزدی میں کھڑا ہو جاتا اور قرآن کریم کی تلاوت میں مگن ہو جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیت ایک سو تیرہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے، ارشاد ہے

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ (۱۱۳) يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ (۱۱۴)(آل عمران)

اہل کتاب میں سے ایک فرقہ ہے جو سیدھی راہ پر ہے، وہ اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں رات کی گھڑیوں میں، وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، وہ نیکی کے کاموں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ تو نیکو کار ہیں۔

اہل کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے، یہاں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے تھے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ثعلبہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، اسید بن تبیعہ رضی اللہ عنہ، اسد بن عبید رضی اللہ عنہ، وغیر ہم، کے ایمان لانے کے بعد یہودی مولویوں نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے والے برے لوگ ہیں، اسی لیے تو انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ کر محمد ﷺ کا دین قبول کیا ہے۔

یہاں ان کی اس لیے تعریف کی جا رہی ہے کہ وہ تہجد کی نماز میں اللہ کے قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے، سجدہ نماز کا ایک حصہ ہے مراد یہاں پوری نماز ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے رکوع اور سجدے کی حالت میں تلاوت کو منع فرمایا ہے، پھر یہ انفرادی نماز ادا کرنے والوں کی مدح کی جا رہی ہے اور انفرادی نماز رات کو تہجد ہی کی نماز ہے، ورنہ عام نمازوں میں تلاوت کرنا تو امام کے لیے ہے۔

نبی کریم ﷺ نے رات کو نماز پڑھنے کی ترغیب بھی دی ہے، بخاری شریف میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا

نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللَّهِ، لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ (باب فضل قيام الليل)

عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے، اگر وہ رات کو نماز ادا کرے۔

آپ ﷺ کے ان الفاظ کی برکت کا کیا کہنا، سبحان اللہ یہ لمحہ گیا پھر تادم واپسیں عبداللہ رات کو بہت ہی کم سوتے تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ اس فرمان کے بعد رات کو بہت ہی کم سوتے تھے۔

بخاری شریف میں یہاں تک ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ فلاں آدمی کی طرح مت ہو جانا، جو رات کو قیام کیا کرتا تھا پھر اس نے یہ عمل چھوڑ دیا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

شَرَفُ الْمُؤْمِنِ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ، وَعِزُّهُ اسْتِغْنَاؤُهُ عَمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ(فوائد تمام)

مومن کی بزرگی اس کی رات کی نماز ہے اور اس کی عزت اس میں ہے کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اس سے بے نیاز رہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا:

يَا مُحَمَّدُ، عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ، وَأَحْبِبْ مَنْ أَحْبَبْتَ فَإِنَّكَ مَفَارِقُهُ، وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَجْزِيٌّ بِهِ» ثُمَّ قَالَ: «يَا مُحَمَّدُ شَرَفُ الْمُؤْمِنِ قِيَامُ اللَّيْلِ وَعِزُّهُ اسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ النَّاسِ(مستدرک حاکم ،کتاب الرقاق)

اے محمد! جتنا زندہ رہنا چاہتے ہیں اتنا زندہ رہ لیں پھر آپ پر موت آئے گی، جس سے چاہیں محبت کا اظہار کریں ایک دن آپ اس سے جدا ہو جائیں گے، جو چاہیں عمل کریں پس آپ کو اس کا بدلہ دیا جائے گا، پھر فرمایا: اے محمد! مومن کی بزرگی رات کی نماز ہے، اس کی عزت اس چیز سے بے نیازی اختیار کرنا ہے جو کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں صہیب بن مہران کی روایت پیش کی ہے، جس میں ہے کہ

شَرَفُ الْمُؤْمِنِ الصَّلَاةُ فِي سَوَادِ اللَّيْلِ (شعب الایمان)

مومن کی بزرگی رات کی تاریکی میں نماز ادا کرنا ہے۔

علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چند واقعات قلمبند فرمائے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم کی راتوں کو تلاوت کیا کرو، اگرچہ بکری کا دودھ دوہنے کی مدت سے بھی کم مدت میں ہو۔ (التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

حضرت یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں سوتاہوں پھر جاگتاہوں اور پھر سوتاہوں تو اس کے بعد میری آنکھیں نہیں سوتیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ رات کی نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کو ترجیح دیتے تھے، اس لیے کہ اس سے دل کو سکون ملتاہے، انسان مشغول کر دینے والی اور غافل کر دینے والی چیزوں سے دور ہوتاہے، رات کی عبادت میں ریاکاری اور دکھلاوے سے حفاظت ہوتی ہے،

شریعت میں بھی بہت سی چیزیں رات کو ہی عمل میں آئی ہیں، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج رات میں ہی ہوئی تھی، اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

إِذَا مَضَى شَطْرُ اللَّيْلِ، أَوْ ثُلُثَاهُ، يَنْزِلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَقُولُ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطَى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ؟ حَتَّى يَنْفَجِرَ الصُّبْحُ (مسلم ، مسنداحمدبن حنبل ، مصنف ابن ابی شیبہ)

جب آدھی رات یا تیسرا حصہ گزر جاتاہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں، پھر فرماتے ہیں، ہے کوئی سوالی جسے دیا جائے ؟ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے ؟ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ اسے معاف کر دیا جائے ؟ یہاں تک کہ فجر ہو جاتی ہے۔

اسی طرح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ، يَسْأَلُ اللهَ خَيْرًا مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ، وَذَلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ(مسلم)

بے شک رات میں ایک گھڑی ایسی ہے جو جس کسی مسلمان کو مل گئی وہ دنیااور آخرت کی بھلائی کا سوال کرے تو اللہ اسے عطافرمادیں گے اور یہ ساری رات میں ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں حضرت سلیمان انماطی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خواب ذکر کیا ہے،وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے،وہ فرمارہے تھے

لَولَا الَّذِينَ لَهُم وِردٌ يَّقُومُونَا * وَآخَرُونَ لَهُم سَردٌ يَصُومُونَا *

اگرایسے لوگ نہ ہوتے جوراتوں کواللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اورایسے ہی لوگ جو مسلسل روزے رکھتے ہیں۔

لَدَكدَكَت أَرضُكُم مِن تَحتِكُم سَحراً * لأَنَّكُم قَومُ سُوءٍلَّا تُطِيعُونَا *

توتمہارے پاؤں کے نیچے سے سحر کے وقت زمین متزلزل ہوجاتی،اس لیے کہ تم لوگ برے ہو،ہمارے فرمانبردار نہیں ہو۔(التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رات کے قیام کی فضیلت اوراس کی تلاوت کی فضیلت حاصل ہوہی جاتی ہے چاہے تھوڑاقیام ہویازیادہ ہو،بسااوقات بہت زیادہ قیام بہت ہی افضل ہوتاہے،مگر ساری رات ایساکرنامکروہ ہے،اس لیے کہ اس میں اپنی ذات کو نقصان پہنچے گا،رات کو تھوڑاقیام ہو پھر بھی یہ فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔

جیسے حضرت عمروبن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الغَافِلِينَ، وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ القَانِتِينَ، وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ المُقَنْطِرِينَ(ابوداؤد،باب تحزيب القرآن)

جس شخص نے دس آیات بھی پڑھ لیں وہ غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا، جس نے سو آیات پڑھیں وہ قانتین میں لکھا جائے گا، جس نے ایک ہزار آیات پڑھیں وہ مقنطین میں لکھا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے کہ جس شخص نے رات کو دو رکعت پڑھی اس نے گویا ساری رات اللہ کے لیے رکوع اور سجدے میں گزار دی۔

قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، یہ کلام اللہ ہے، یہ شہنشاہوں کے شہنشاہ کا کلام ہے، اس کی برکات وہی لوگ جانتے ہیں جو اس کے ساتھ دل و جان سے محبت رکھتے ہیں، ساری ساری رات تلاوت میں گزار دینے والے خوش نصیب جانتے ہیں کہ اس کلام کی حلاوت، شیرینی اور چاشنی کیا ہے، علماء کرام، فقہاء کرام، مفسرین کرام نے اپنی ساری زندگیاں اس کتاب کے سمندر میں گزار دیں، وہ اس بحر کی غواصی سے گوہر ہائے آبدار تلاش کر کے لاتے تھے، آج جتنی بڑی بڑی تفاسیر عربی اور دوسری زبانوں میں موجود ہیں وہ انہی خوش نصیب اور محبوبان بارگاہ الٰہی کی کاوشوں اور سحر خیزیوں کی بدولت ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر ان کے جانثار صحابہ کرام تک سبھی نے رات کی تاریکیوں میں اللہ سے مناجات کا شرف حاصل کیا ہے، تابعین اور اتباع تابعین نے بھی اپنے پیشرووں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ عظیم شرف پایا ہے۔

مفسرین کرام کے بعد محدثین عظام نے اپنی زندگیوں کے بیش قیمت لمحات اس بحر کی غواصی میں صرف کیے ہیں، کتب احادیث کی کتاب التفسیر دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر عرق ریزی سے تفسیری نکات اجاگر کیے گئے ہیں، کس قدر باریک بینی سے کام لیا گیا ہے، تلاوت کرنے والے تو تلاوت سے رطب اللسان ہو کر سعادتیں سمیٹتے رہے مگر بحر قرآنی کے شناور اس بحر ذخار میں غوطہ زن ہو کر تشنگان علم و عرفان کے لیے گہرہائے نایاب تلاش کر کے لاتے رہے۔

قرآن کریم یادرکھنے کی ترغیب

قرآن کریم کو زبانی یاد کرنا بہت بڑا کام ہے، یہ اللہ کی مہربانی اور توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتا، نبی کریم ﷺ جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہر سال جبریل علیہ السلام کے ساتھ رمضان میں اسے دہراتے تھے، جس سال آپ ﷺ کا انتقال ہوا اس سال دو مرتبہ آپ ﷺ نے جبریل کے ساتھ قرآن کریم کو دہرایا، جب قرآن کریم نازل ہوتا تھا تو اس وقت آپ ﷺ کی خواہش ہوتی تھی کہ میں جلدی جلدی اسے پڑھوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ جبریل پڑھنے میں آگے نکل جائیں اور میری کچھ آیات رہ جائیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے نازل ہم نے کیا تو اسے آپ کو یاد کرانا بھی ہمارا کام ہے۔

قرن نبوی سے لے کر آج تک قرآن کریم کے حفاظ کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں میں رہی ہے، آج شاید جس طرح دنیا شرق و غرب پھیل چکی ہے، شمال و جنوب میں دنیا وسیع ہو چکی ہے، دنیا کی آبادی پہلے کی نسبت کئی گنا بڑھ چکی ہے، اسی قدر پہلے کی نسبت حفاظ کی تعداد بہت زیادہ ہے، اگر پہلے سینکڑوں میں تھی تو اب ہزاروں میں ہے، اگر پہلے ہزاروں میں تھی تو اب لاکھوں میں ہے، اگر پہلے لاکھوں میں تھی تو اب کئی لاکھ ہو چکی ہے۔

جس طرح قرآن زبانی یاد کرنے کے فضائل کا ذکر احادیث میں ملتا ہے اور ان فضائل کو سامنے رکھتے ہوئے اس زندہ کتاب کے لاکھوں حافظوں کا ہونا ضروری تھا تو اس کی حفاظت اور اسے یاد کرنے کی ترغیب بھی اس سے کہیں بڑھ کر دی گئی ہے، تاکہ قرآن پڑھنے والے اسے معمول کی ایک چیز خیال نہ کریں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بخاری میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا (بخاری)

قرآن کریم کی حفاظت کرتے رہو، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح اونٹ مہار نہ رہنے پر اپنی قیام گاہ سے بھاگ جاتا ہے

الشیخ مصطفٰے البغا اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ تعاھدوا کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں ہیشگی کرے، اس کو پڑھتا رہے، عُقل کا معنی ہے مہار، رسی۔

مسلم شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی یہ روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَعَاهَدُوا هَذَا الْقُرْآنَ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَلُّتًا مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقُلِهَا

اس قرآن کی حفاظت کرو، پس قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے البتہ وہ زیادہ نکل جانے والا ہے، جس طرح اونٹ اپنی مہار نہ ہونے کے باعث اپنی قیام گاہ سے نکل جاتا ہے۔

ایک مقام پر تفصیاً فرمایا اور یہاں تفلتاً فرمایا ہے، دونوں قریب المعنی ہیں، یعنی جس طرح اونٹ کی مہار نہ ہو تو وہ آہستہ آہستہ اپنی قیام گاہ سے آگے بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور نہ معلوم کہاں جا پہنچے، اسی طرح جو لوگ قرآن کریم کے حافظ ہونے کے باوجو قرآن کریم کی تلاوت پر ہیشگی اور مواظبت نہیں فرماتے قرآن ان کے سینے سے نکلنا شروع ہو جاتا ہے، انہیں آیات بھولنا شروع ہو جاتی ہیں، اس لیے انہیں چاہیے کہ تلاوت پر ہیشگی فرمائیں تاکہ یہ عظیم دولت ان کے سینے کے سفینے میں موجود رہے۔

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ، إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ

بے شک حافظِ قرآن کی مثال اس اونٹ کی سی ہے کہ اگر اسے باندھ کر رکھا جائے تو ٹھہرا رہے گا اور اگر چھوڑ دیا جائے تو بھاگ جائے گا۔

یہاں بھی یہی ترغیب دی جا رہی ہے کہ حافظ قرآن اپنے یاد کیے ہوئے کو دیکھتا رہے، اسے پڑھتا رہے، اس پر ہیشگی اختیار کرے، لاپرواہی اور سستی کا مظاہرہ نہ کرے، کاہلی کی وجہ سے معاملے کو کل پر نہ ٹالتا رہے، اس طرح اسے قرآن بھول جائے گا، یہاں اونٹ کے ساتھ مثال دینے کی وجہ یہ ہے کہ تمام پالتو جانوروں میں اونٹ ایسا جانور ہے جو بھاگ کھڑا ہونے میں سب سے آگے ہے، جونہی اسے ڈھیل دے دی توں ہی یہ بھاگ نکلے گا، رسی ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو نہ معلوم کس سمت نکل جائے۔

ابو یحیٰ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ مسلم شریف کی شرح میں اس حدیث شریف کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

فِيهِ الْحَثُّ عَلَى تَعَاهُدِ الْقُرْآنِ وَتِلَاوَتِهِ(شرح النووی للمسلم)

اس حدیث شریف میں قرآن کریم کی حفاظت اور اس کی تلاوت کی ترغیب دی گئی ہے۔

قرآن کریم بھلا دینے کا نقصان

قرآنی ارشادات اور نبوی فرمودات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ قرآن کریم بھلا دینا بہت ہی نقصان اور گھاٹے کا سودا ہے، قرآن کریم کی سورۃ طٰہ میں ارشاد ہے کہ

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى (١٢٤) قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا (١٢٥) قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى (١٢٦)

اور جس نے ہماری یاد سے منہ موڑا، پس بے شک اس کی گزراوقات تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے، وہ کہے گا، اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھتا تھا، اللہ فرمائیں گے اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں تو نے انہیں بھلا دیا تھا اور اسی طرح ہم آج کے دن تجھے بھلا دیں گے۔

کس قدر نقصان کی بات ہے کہ انسان اچھا بھلا دیکھتا ہو اور اسے عین اس وقت اندھا کر کے اٹھایا جائے جب اس کی آنکھوں کو ہر نعمت اخروی دیکھنا تھی، وہ فریاد کرے گا کہ میرے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہوا؟ تو اسے بتایا جائے گا کہ یہ تیرے اپنے ہی کیے کی سزا ہے کہ تو نے ہمارے قرآن سے منہ موڑ لیا تھا، تو نے اسے بھلا دیا تھا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ذکر سے مراد قرآن کریم بھی ہے اور تمام وہ کتابیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں (تفسیر کبیر ج ۲۲ ص ۱۱۰)

محمد بن علی شوکانی یمنی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں

عَنْ دِينِي، وَتِلَاوَةِ كِتَابِي، وَالْعَمَلِ بِمَا فِيهِ(تفسیرفتح القدیر ج۳ص ۴۶۲)

من اعرض عن ذکری سے مراد میرا دین اور میری کتاب کی تلاوت سے منہ موڑنا ہے، اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے اس پر عمل کرنے سے منہ موڑنا مراد ہے۔

اگرچہ کوئی مسلمان قرآن کریم سے اعراض نہیں کرتا، اس سے پہلو تہی نہیں کرتا، اس کے احکامات سے جان بوجھ کر بغاوت نہیں کرتا، مگر عملی لحاظ سے وہ اس کی طرف دھیان نہیں دیتا، جیسے آج کل لوگوں کی مصروفیات اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ انہیں دنیا کے ہر کام کی فکر لاحق رہتی ہے مگر قرآن کی تلاوت کی طرف ان کا دھیان بالکل نہیں جاتا، وہ دن رات کوہلو کے بیل کی طرح دنیا کے گرد چکر کاٹتے گزار دیتے ہیں، دنیا سمیٹنے اور بنک بیلنس کے چکر میں دن رات ایک کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو اس آیت کی روشنی میں اپنی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے۔

کس قدر نقصان کی بات ہے کہ انسان اپنی دنیا کی خاطر آخرت کی زندگی کو خراب کر ڈالے، اسی آیت سے پہلے اللہ نے فرمایا کہ جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ ہی وہ بدبخت ہوگا۔ گمراہی دنیا کی زندگی میں اور بدبختی آخرت کی زندگی میں ہوگی، معیشت اور گزراوقات تنگ ہو جائے گی، ایک روایت کے مطابق ایسے شخص کو جو اللہ کی کتاب سے منہ موڑے گا کا کھانا اہل جہنم کے جسم سے نکلنے والی پیپ اور کچ لہو ہوگا، کانٹے دار درخت ان کو کھلائے جائیں گے، ایک روایت کے مطابق جہنم کے ننانوے سانپ ان پر قبر میں مسلط کیے جائیں گے، ایک روایت کے مطابق ان کے قبر تنگ کر دی جائے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُورُ أُمَّتِي حَتَّى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوبُ أُمَّتِي، فَلَمْ أَرَ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ آيَةٍ أُوتِيهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا

میری امت کے اجر میرے سامنے پیش کیے گئے، یہاں تک کہ وہ کوڑا جو وہ مسجد سے باہر نکالتا ہے اور میری امت کے گناہ مجھ پر پیش کیے گئے، میں نے کوئی گناہ اتنا بڑا نہیں دیکھا اس

سے کہ قرآن کریم میں سے ایک سورت یا ایک آیت جو کسی آدمی کو دی گئی پھر وہ اس سے بھلادی گئی ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد)

حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں مستقل ایک باب باندھا ہے جس میں انہوں نے ان وعیدات کو بیان کیا ہے جو قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد بھلادینے والوں کے لیے ہیں، ان میں ایک روایت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی لائے ہیں، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنَ امْرِئٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، ثُمَّ يَنْسَاهُ، إِلَّا لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَجْذَمَ(ابوداؤد)

جو شخص قرآن پڑھتا ہے پھر اسے بھلادیتا ہے وہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ وہ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہوگا۔

جو حافظِ قرآن اپنی منزل سے غافل رہا

دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کے لیے اساتذہ نے کچھ اصطلاحات بنا رکھی ہیں ان میں ایک اصطلاح سبقی کی ہے، ایک اصطلاح منزل کی ہے اور ایک سبق کی ہے، سبق وہ ہے جو طالب علم روزانہ سناتا ہے، سبقی اس سپارے کو کہا جاتا ہے جس میں طالب علم کا سبق چل رہا ہوتا ہے، منزل اسے کہا جاتا ہے جو پیچھے سے سپارے، دو سپارے، تین سپارے سنائے جاتے ہیں، اسلاف نے اس کو وظیفہ یا ورد کا نام دے رکھا تھا۔

اگرچہ آج کل وردان وظیفوں کو کہا جاتا ہے جو بزرگ اپنے مریدوں کو تلقین کرتے ہیں اور وہ صبح وشام باقاعدگی سے اسے اپنے معمولات کا حصہ بناتے ہیں، حدیث شریف میں حزب کا لفظ استعمال ہوا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی منزل کے بارے میں یہی لفظ استعمال فرمایا، مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ لوگ ملنے کے لیے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں کچھ دیر رک گئے تو ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

مسجد میں دیر لگادی تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا

نَعَمْ طَرَأَ عَلَيَّ حِزْبِي مِنَ الْقُرْآنِ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى أَقْضِيَهُ

ہاں تو مجھے قرآن کریم میں سے اپنی منزل پیش آگئی تھی اس لیے میں نے پسند نہیں کیا کہ میں اسے پورا کیے بغیر مسجد سے نکلوں۔(فضائل القرآن،ابو عبید قاسم بن سلام ھروی)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جب ان کی منزل کے بارے میں پوچھا گیا کہ آپ لوگ منزل کس طرح پڑھتے ہیں تو انہوں نے اس کا جواب یوں دیا

نُحَزِّبُهُ: ثَلَاثَ سُوَرٍ، وَخَمْسَ سُوَرٍ، وَسَبْعَ سُوَرٍ وَتِسْعَ سُوَرٍ، وَإِحْدَى عَشْرَةَ سُورَةٍ، وَثَلَاثَ عَشْرَةَ سُورَةً، وَحِزْبَ الْمُفَصَّلِ مَا بَيْنَ قَافٍ فَأَسْفَلَ

ہم تو تین سورتوں کی منزل کر لیتے ہیں، پانچ سورتوں، سات سورتوں، نو سورتوں، گیارہ سورتوں، تیرہ سورتوں، اور ایک سورۃ القاف کے درمیان ایک مفصل منزل کر لیتے ہیں اور اس سے کم بھی کر لیتے ہیں۔(فضائل القرآن،ابو عبید قاسم بن سلام ہروی بغدادی)

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ فَاتَهُ حِزْبُهُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَرَأَهُ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ إِلَى صَلَاةِ الظُّهْرِ، فَكَأَنَّهُ لَمْ يَفُتْهُ، أَوْ كَأَنَّهُ أَدْرَكَهُ(فضائل القرآن لابی عبیدقاسم بن سلام ہروی بغدادی)

جس کی منزل رات کو فوت ہو جائے، پھر وہ اسے زوال سے لے کر نماز ظہر تک پڑھ لے تو وہ ایسے ہی جیسے اس کی منزل فوت نہیں ہوئی، یا گویا کہ اس نے اسے پالیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ، أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ، فَقَرَأَهُ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَصَلَاةِ الظُّهْرِ، كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ(مسلم)

جو شخص اپنی منزل کے بغیر ہی سو گیا تو اگر اس نے نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان اسے پڑھ لیا تو اس کے لیے ایسے ہی لکھ دیا جاتا ہے گویا کہ اس نے رات کو اسے پڑھا تھا۔

ان روایات میں حزب کا لفظ آیا ہے، حزب القرآن کا معنی ہے قرآن کریم کا ایک حصہ مقرر کر کے پڑھنا، ہمارے دور میں جس طرح قاری اور حافظ بچے ایک یا دو سپارے مقرر

کر لیتے ہیں اور اسے استاذ کو سناتے ہیں، صحابہ کرام اسے معمول بنا کر پڑھا کرتے تھے۔

بعض روایات میں حزب کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بعض روایات میں ورد کا لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نِمتُ البَارِحَةَ عَن وِّردِي حَتَّى أَصبَحتُ فَلَمَّا أَصبَحتُ اِستَرجَعتُ وَكَانَ وِردِي سُورَةُ البَقَرَةِفَرَأَيتُ فِي المَنَامِ كَأَنَّ بَقَرَةٌ تَنطِحُنِي(ابن أبي داود،التبيان فى آداب حملة القرآن

میں رات کو اپنا ورد کیے بغیر سو گیا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، جب میں نے صبح کی تو میں نے اناللہ واناالیہ راجعون پڑھا، میں نے اپنا ورد سورۃ البقرہ کو بنا رکھا تھا، اس کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک گائے مجھے کچوکے لگا رہی ہے۔

ابن ابی الدنیا نے ایک حافظ قرآن سے نقل کیا ہے کہ وہ رات کو اپنی منزل پڑھے بغیر سو گئے تو انہیں خواب میں دکھایا گیا کہ گویا وہ یوں کہہ رہے ہیں

عَجِبتُ مِن جِسمٍ وَّمِن صِحَةٍ * وَمِن فَتىٰ نَامَ إِلَى الفَجر *
وَالمَوتُ لَا يُؤَمَّنُ خِطفَاتُه * فِي ظُلَمِ اللَّيلِ إِذَا يَسري *

مجھے اس جسم اور اس صحت پر تعجب ہے، مجھے اس نوجوان پر تعجب ہے جو فجر تک سوتا رہتا ہے، حالانکہ وہ موت کے اچانک اچک لینے سے محفوظ نہیں ہے، جب وہ سیاہ اندھیری رات میں چل رہا ہو۔

متلاشیان قرآن کے لیے چند اصول

قرآن کریم زبانی یاد کرنے والے بہت ہی خوش نصیب لوگ ہیں، ان کے فضائل اور مناقب احادیث میں موجود ہیں، ان کو جنتوں کے رقبے ملیں گے، جنت کی بے شمار نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں گے، ان کی سفارش پر دس ان لوگوں کو جنت میں بھیجا جائے گا جو اس کے قریبی رشتہ دار ہوں گے اور ان پر جہنم کی آگ واجب ہو چکی ہو گی، اس کے والدین کو سنہری تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سورج کی روشنی سے کئی گنا زیادہ ہو گی اور جن لوگوں کو

زبانی یاد نہیں ہے مگر وہ بھی صبح وشام اس کی تلاوت میں مصروف رہتے ہیں انہیں بھی محرومی نہیں ہوگی۔

قرآن کریم سے کامل درجے کا فائدہ اٹھانے کے لیے علماء امت نے کچھ ابتدائی اور بنیادی چیزوں کا ذکر کیا ہے، قرآن کریم کا طالب علم ان چیزوں کو اپنے طالب علمانہ سفر کا زادِ راہ بنالے تو انشاءاللہ بہت ہی فائدہ ہوگا۔

① طلب

جو لوگ قرآن کریم سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کے دل میں قرآن کریم سیکھنے کی، اسے یاد کرنے کی طلب ہو، بے طلبوں کو کوئی چیز نہیں ملتی، تو قرآن کریم جیسی عظیم دولت اسے کیسے ملے گی، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت کی دولت سے مالا مال کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع رکھتے ہیں، جیسے سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہے

اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (١٣)الشوریٰ

اللہ جسے چاہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے راہ دکھاتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں یعنی صراط مستقیم کی ہدایت کے دو ہی طریقے ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو اپنے دین اور صراط مستقیم کے لئے منتخب فرما کر اس کی فطرت وطبیعت ہی کو اس کے مطابق بنادے جیسے انبیاء علیہم السلام اور خاص اولیاء اللہ جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا اِنَّا اَخلَصنٰهم بخَالِصَةٍ ذِكرَى الدَّار۔ یعنی ہم نے ان کو ایک خاص کام کے لئے خالص کردیا ہے جو آخرت کی فکر ہے اور خاص خاص انبیاء کے بارے میں قرآن نے مخلص بفتح لام ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ جس کے معنی منتخب اور مخصوص کے ہیں۔ یہی مفہوم ہے اَللهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ کا، یہ طریقہ ہدایت مخصوص ومحدود ہے اور دوسرا عام طریقہ ہدایت پانے کا یہ ہے

کہ جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہو اور اس کے دین پر چلنے کا ارادہ کر لے تو اس کو اللہ تعالیٰ دین حق کی ہدایت کر دیتا ہے۔ یہ مطلب ہے دوسرے جملے وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہدایت پانے کے صرف دو طریق ہیں، ایک خصوصی کہ اللہ تعالیٰ کسی کو خود ہی صراط مستقیم کے لئے منتخب فرمالے۔ دوسرا عمومی کہ جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہو اور اس کے دین حق کی تلاش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مقصود ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔ رجوع کرنے والے، طلب کرنے والے لوگ اپنی منزل کو پالیتے ہیں، قرآن کریم کتاب ہدایت ہے یہ بھی بے طلبوں کو حاصل نہیں ہوتی، اس کے لیے صبح و شام ایک کرنا پڑتا ہے، دن رات محنت کرنا پڑتی ہے، جو جس قدر محنت کرے گا اسی قدر اس کے سینے میں قرآن کریم محفوظ ہو گا، بزرگوں کا فرمان ہے کہ دنیا بقدر مقدر ملے گی اور دین بقدر مشقت ملے گا، یعنی دنیا کے لیے انسان بے شک دن رات محنت کرے مگر وہ ملے گی اتنی جتنی مقدر میں لکھی ہوئی ہے مگر دین جس جس قدر محنت کرے گا اسی قدر زیادہ حاصل ہوتا جائے گا۔

⓶ توجہ سے سننا اور اس پر عمل کرنا

کسی کلام سے فائدہ اٹھانے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ انسان پوری توجہ کے ساتھ اسے پہلے سنے، پھر اسے دماغ سے سوچے، پھر اسے دل میں بٹھائے، تب وہ چیز محفوظ رہتی ہے، ہمارے استاذ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب فرمایا کرتے تھے کہ پوری توجہ سے بات سنو گے تو کچھ نہ کچھ پلے پڑے گا اور کچھ کچھ توجہ کرو گے تو کچھ بھی پلے نہیں پڑے گا، اس لیے قرآن کریم کے طالب علم کو چاہیے کہ وہ پوری توجہ سے قرآن کریم اپنے استاذ سے سنے پھر اسے یاد کرے، پھر جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے اس کی اتباع اور پیروی کرے، اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں انہی خوش نصیب لوگوں کو خوشخبری سنانے کا حکم دیا، فرمایا کہ

فَبَشِّرْ عِبَادِ (۱۷) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ (۱۸) الزمر

پس میرے بندوں کو خوشخبری دے دو، جو توجہ سے بات کو سنتے ہیں پھر اچھی بات کی

پیروی کرتے ہیں یہی ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل والے ہیں۔

یہاں واضح فرمادیا کہ خوشخبری ان کو سنائی جائے جو پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ قرآن کریم سنتے ہیں، پھر سننے کے بعد ان میں عمل کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ اس کی پیروی کرتے ہیں، ان لوگوں کو پروانہ دیا جاتا ہے کہ یہ ہدایت پانے والے ہیں اور عقل والے ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ کا خوف

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اس کا خوف رکھتے ہیں وہی لوگ اس کتاب ہدیٰ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں، قرآنی نصوص سے پتا چلتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی وعیدات سے ڈریں وہی نصیحت کے مستحق ہیں، جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اس کے احکامات کی پیروی اور اتباع کریں وہی اللہ کے فرستادوں کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہیں اور انہی کو نصائح و پند ہائے نبوت فائدہ دے سکتی ہیں، جو سنگدل ہیں، پتھر دل ہیں، سخت دل ہیں ان کو کسی قسم کی نصیحت فائدہ نہیں دیتی، یہ نصیحتیں اور بھلائیاں انہی دلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں جو اللہ کا خوف رکھتے ہیں، جب ان کے سامنے قرآنی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور ان کے انگ انگ پر موجود بال خوف کے مارے کھڑے ہو جاتے ہیں (تلخیص از کتاب "مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی)

④ ایمان بالغیب

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں "دین کا ایک بہت بڑا اور اہم حصہ وہ ہے جو انسان کے حواسِ خمسہ اور اس کی عقل کے حدود سے باہر ہے، یہ دین کے وہ بہت سے حقائق ہیں جن کا ادراک وہ اپنے حواس ظاہری سے نہیں کر سکتا نہ وہ چیزیں دیکھی جاسکتی ہیں نہ چھوئی جاسکتی ہیں، نہ سونگھی جاسکتی ہیں اور نہ چکھی جاسکتی ہیں اور نہ ان میں عقل کام دے سکتی ہے، اس لیے کہ عقل کا کام صرف یہ ہے کہ وہ محسوسات اور معلومات اور تجربات کے

ذریعہ غیر محسوس اور غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرے ، جن چیزوں کا علم حواس اور تجربات کے ذریعہ سے ممکن نہ ہو، اس کے مبادی تک حاصل نہ ہوں، اور وہاں قیاس کی بنیاد سرے سے موجود نہ ہو وہاں عقل کیا کام دے سکتی ہے ؟

اللہ تعالی کی صفات، وحی ، فرشتے ، آخرت، جنت اور دوزخ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو خلاف عقل نہیں، لیکن ورائے عقل ضرور ہیں، یہ سب غیب میں شامل ہیں، جس کے لیے انبیاء پر اعتماد کرنا اور جو کچھ وہ بتائیں اس کو قبول کرنا یہی ایمان بالغیب ہے، جو لوگ اپنے یقین اور اعتقاد کے لیے مادیات اور محسوسات کے پابند ہیں اور جو چیز ان کے عقل و قیاس میں نہ آئے ان کا انکار کر دیتے ہیں، وہ حقیقت میں دین کی حقیقت سے ناواقف ہیں، ان کے لیے دین کی سرحد میں داخل ہونا ہی مشکل ہے، وہ قرآن سے منتفع نہیں ہو سکتے اور ان کے لیے قرآن مجید میں قدم قدم پر مشکلات ہیں ، مگر جو لوگ حواس پرست نہیں ہیں اور ممکنات کے دائرہ کو وسیع سمجھتے ہیں، موجودات اور محسوسات میں محصور نہیں سمجھتے، دین کی حقیقت سے آشنا ہیں، صحیح اور قطعی علم کا سرچشمہ ان کے لیے صرف وحی الٰہی ہے اور ان کو انبیاء کی اطلاع اور تعلیم پر کلی اعتماد ہے، ان کے لیے کوئی مشکل مشکل نہیں، دین پورا ان کے لیے ایک مفہوم حقیقت اور قرآن ان کے لیے سراپا ہدایت ہے۔(مطالعۂ قرآن

⑤ تدبر

مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لیے تدبّر بھی شرط ہے، قرآن نے جابجا تدبّر کی ترغیب دی ہے اور مومنین کی تعریف کی ہے، جو قرآن مجید کو سوچ سمجھ کر پڑھتے ہیں اور اس پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔(مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی)

⑥ مجاہدہ

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں قرآن کے فہم اور تدبّر میں اور اس پر عمل کرنے میں (کسی درجہ کا) مجاہدہ اور مشقت بھی ضروری اور مفید ہے ، قرآن ان انسانی کتابوں میں سے نہیں ہے جن کے مضامین کا احاطہ اور ان کے مصنفین کا مقصد آدمی محض

اپنی ذہانت یا علم کی بناء پر معلوم کرلیتا ہے، اللہ کا منشاء معلوم کرنے کے لیے اللہ کی رضا اور اعانت کی ضرورت ہے، جب انسان اس کے لیے تکلیف اٹھاتا ہے، طہارتِ اخلاق اور تزکیۂ نفس سے کام لیتا ہے تو اللہ کی رحمت بھی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور اللہ اپنی کتاب کے لیے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور س کو فہم عطا کرتا ہے، قرآن چونکہ نہایت لطیف چیز ہے، اس لیے جس قدر انسان کی مادی کثافت کم ہوتی ہے اسی قدر قرآن سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اور قرآن کا اجمال بے نقاب نظر آتا ہے۔ (مطالعہ قرآن)

دوسرا سبب یہ ہے کہ جب کوئی انسان کسی مقصد کے لیے تکلیفیں اٹھاتا ہے اور قربانیاں کرتا ہے تو اس کی کیفیتیں اس کے اوپر پوری طرح طاری ہو جاتی ہیں اور اس کو صحیح لذت و حلاوت ملتی ہے۔

تیسرا یہ کہ قرآن کا ایک بڑا حصہ عملی ہے، وہ محض نظری طور پر سمجھ میں نہیں آسکتا، الفاظ و معانی کا علم تو حاصل ہو سکتا ہے لیکن صحیح تحقیق و مشاہدہ عمل اور تجربہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام کے فہمِ قرآن کا یہ بھی ایک امتیاز تھا۔ (مطالعہ قرآن)

⑦ ادب و عظمت

قرآن مجید سے استفادہ، اس سے ہدایت و فیض حاصل کرنے اور روح و قلب کو اس سے جِلا دینے کے سلسلے میں اس حقیقت کا ملحوظ رہنا بھی ضروری اور مفید ہے کہ وہ محض معلومات کا کوئی دفتر، یا ضوابط و قوانین کا کوئی مجموعہ نہیں ہے، جس کو کسی طرح بھی پڑھ لیا جائے اور اس کے مضامین و مندرجات سے آگاہی حاصل کرلی جائے، وہ اس احکم الحاکمین اور سلطان السلاطین کا کلام ہے جو جمال و کمال اور عطاء و نوال کی تمام صفتوں سے متصف ہے۔

ان اصولوں اور ضابطوں کو پیش نظر رکھ کر جو لوگ قرآن کریم کا مطالعہ کریں گے اس میں غور و فکر سے کام لیں گے انہیں خوب خوب فائدہ حاصل ہوگا اور اس زندہ کتاب سے نفع ملے گا۔

قرآن کریم کے شیدائی

آپ ﷺ کی قرآن سے محبت

رحمت دوعالم ﷺ کی ذات اقدس پر قرآن کریم نازل ہوا، آپ ﷺ کو اللہ نے بہت ہی خوبصورت اور دلکش آواز سے نوازا ہوا تھا، نزول قرآن کے دوران ہی آپ ﷺ جلدی جلدی اسے پڑھتے تھے کہ کہیں جبریل آگے نکل جائیں اور میرا کچھ حصہ رہ نہ جائے، اللہ نے تسلی دی کہ جلدی نہ کریں اسے ہم اتارنے والے ہیں اور اس کو آپ کے سینے میں محفوظ کرنے والے بھی ہم ہی ہیں، پھر اللہ نے حکم دیا کہ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر تجوید کے ساتھ پڑھیں، حضرت ام المومنین ام سلمہ نے آپ ﷺ کی تلاوت کی شان یوں بیان فرمائی ہے

قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا(فضائل القرآن، ابوعبیدقاسم بن سلام ہروی بغدادی)

آپ ﷺ کی قرأت واضح ہوتی تھی، ایک ایک حرف واضح سنائی دیتا تھا۔

فتح مکہ کا دن مسلمانوں کے لیے بہت بڑی خوشی کا دن تھا، جب وہ اپنے اس گھر میں داخل ہورہے تھے جہاں سے انہیں چند سال پہلے نکال دیا گیا تھا، جب آپ ﷺ فتح مکہ کے دن اپنی سواری پر سوار تھے تو فرط مسرت میں سورۃ الفتح کی تلاوت کررہے تھے۔

آپ ﷺ جب رات کی تاریکی میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے تو مکہ کے کافر بھی آپ ﷺ کی تلاوت سے محظوظ ہوتے تھے، رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کبھی اونچی آواز میں تلاوت کرتے تھے اور کبھی آہستہ آواز میں، ام ہانی بنت ابی طالب رات کی تاریکی میں اپنے چھپر پر بیٹھ کر آپ ﷺ کی تلاوت سے محظوظ ہوتی تھیں، آپ ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو تلقین کی کہ وہ قرآن کریم کو خوبصورت لب ولہجے میں پڑھا کریں، اسے حسن صوت کے ساتھ مزین کریں، اسے عربوں کے لب ولہجے میں پڑھا کریں، کیونکہ عربوں کا لب ولہجہ تلاوت کے لحاظ سے بہت ہی عمدہ ہے۔

آپ ﷺ کا قرآن کے ساتھ اس قدر عشق تھا کہ تین دن میں قرآن مکمل پڑھ لیتے تھے۔

آپ ﷺ نے ایک بار عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عبداللہ ! ذرا قرآن تو سناؤ، انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ ! میں آپ ﷺ کو سناؤں حالانکہ آپ ﷺ ہی پر تو یہ نازل ہوا ہے ، آپ ﷺ نے فرمایا، عبداللہ میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے رضی اللہ عنہ ہیں کہ میں نے سورۃ النساء پڑھنا شروع کی، جب اس آیت پر پہنچا

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلاءِ شَهِيدًا [النِّسَاءِ: ۴۱]

سواس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور لوگوں پر آپ کو بطور گواہ کے پیش کریں گے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸۵)

کسی نے مجھے کہا کہ رک جاؤ، میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات آپ ﷺ نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی ، میں آپ ﷺ کی دائیں طرف تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بائیں طرف تھے، نبی کریم ﷺ نے سورۃ المائدہ کی آیت مبارکہ

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ} [المائدة: ۱۱۸]

(اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کر دے تو تو ہی زبردست حکمت والا ہے)

کی تلاوت شروع کی ، آپ ﷺ اس آیت کو بار بار دہراتے جاتے تھے ، صبح تک آپ ﷺ اسی آیت کو بار بار دہراتے رہے ، جب صبح ہوئی تو میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ﷺ نے رات کو ایسے ایسے کیا، تو آپ اس بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کرتے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان جائیں ، آپ ﷺ نے ساری رات ایک ہی آیت قیام میں بھی پڑھی، رکوع بھی اسی کے ساتھ کیا،

سجدہ بھی اسی کے ساتھ کیا، دعا بھی اسی کے ساتھ مانگی ، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکمل قرآن عطافرمایاہے ،آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي دَعَوْتُ لأُمَّتِي

میں اپنی امت کے لیے دعامانگ رہاتھا۔(قیام اللیل للمروزی)

حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنی لاڈلی اورسب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایاکہ جبریل ان کے ساتھ ہر سال ایک بار قرآن دہراتے رہے ،اس سال انہوں نے میرے ساتھ دو بار قرآن دہرایاہے ۔(بخاری، فضائل القرآن)

اس سے اندازہ لگایاجاسکتاہے کہ آپ ﷺ عام سال میں قرآن کی تلاوت اپنے طورپر کرتے رہتے تھے جب کہ رمضان میں جبریل کے ساتھ دہراتے تھے،جبریل رمضان المبارک کی ہر رات آپ ﷺ سے ملاقات کرتے تھے ۔(فضائل القرآن لرازی)

نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں میں سے بعض کے گھروں کی طرف دیکھ رہے تھے ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں وہاں جلوہ افروز تھے، نبی کریم ﷺ ان کے پاس رک گئے، نبی کریم ﷺ کی ریش مبارک میں سر کی بہ نسبت بال زیادہ سفید تھے، یہ دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کرنے لگے ، یارسول اللہ !آپ کی طرف بڑھاپابہت جلدی آرہاہے ،آپ ﷺ نے فرمایاکہ

أَجَلْ شَيَّبَتْنِي هُودٌ، وَأَخَوَاتُهَا: الْوَاقِعَةُ، والْقَارِعَةُ، وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وسَأَلَ سَائِلٌ قَالَ أَبُو صَخْرٍ، وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ قُسَيْطٍ: وَالْحَاقَّةُ(قيام الليل)

ہاں ، مجھے سورۃ ھوداوراس کی بہنوں سورۃ الواقعہ ، سورۃ القارعہ ، اذالشمس کورت، سائل سائل اورالحاقہ نے بوڑھاکردیاہے۔

حضرت حمران بن اعین فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ المزمل کی آیت

إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالا وَجَحِيمًا، وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ} [المزمل: ١٢

پڑھی تو بے ہوش ہو گئے۔

آپ ﷺ خود بھی خوب پڑھتے تھے اور غور و فکر کرتے تھے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے، فضائل قرآن سے احادیث کی کتب بھری ہوئی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تلاوتِ قرآن

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إذا قُرِى عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ كَمَا نَعَتَهُمُ اللَّهُ تَدْمَعُ أَعْيُنُهُمْ وَتَقْشَعِرُّ جُلُودُهُمْ.قِيلَ لَهَا: فَإِنَّ أُنَاسًا الْيَوْمَ إِذَا قُرِى عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ خَرَّ أَحَدُهُمْ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ.فَقَالَتْ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان یہ تھی کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور اللہ کے خوف سے ان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے تھے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جب ان کے سامنے قرآن کریم کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں، اس پر انہوں نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا۔(تفسیر قرطبی ج۱۵ ص۲۴۹)

حضرت سعید بن عبد الرحمن جمحی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مَرَّ ابْنُ عُمَرَ برجل من أَهل القُرآن سَاقِطاً فَقَالَ: مَا بَالُ هَذَا؟ قَالُوا: إِنَّهُ إِذَا قُرِى عَلَيْهِ الْقُرْآنُ وَسَمِعَ ذِكْرَ اللَّهِ سَقَطَ.فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِنَّا لَنَخْشَى اللَّهَ وَمَا نَسْقُطُ.ثُمَّ قَالَ:إِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ أَحَدِهِمْ، مَا كَانَ هَذَا صَنِيعَ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه سلم(تفسيرالقرطبی ج۱۵ص ۲۴۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اہل قرآن میں سے ایک شخص کے پاس سے گزرے جو گرا پڑا تھا، آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ جب اس کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے اور اللہ کا نام سنتا ہے تو گر پڑتا ہے، آپ نے فرمایا کہ ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں مگر ہم تو نہیں گرتے، پھر فرمایا کہ شیطان ان کے اندر داخل ہو جاتا ہے، نبی

کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ایسا نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تصنع اور تکلف سے ایسا نہیں کرتے تھے، غیر اختیاری طور پر ایسا ہونا اس کے خلاف نہیں ہے۔

ایک دوسری روایت میں اہل قرآن کی جگہ اہل عراق آیا ہے، جس میں یوں ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عراقیوں میں سے ایک شخص کے پاس سے گزرے اس حال میں کہ وہ گرپڑا تھا، آپ نے پوچھا: اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا: جب اس کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے اور اللہ کا نام سنتا ہے تو گرپڑتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم بھی اللہ سے ڈرنے والے ہیں مگر ہم تو نہیں گرتے، پھر فرمایا: بے شک شیطان ان میں سے کسی ایک کے اندر داخل ہو جاتا ہے، نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ایسا نہیں کرتے تھے۔

تفسیر بحر المحیط، تفسیر بغوی اور تفسیر قرطبیؒ میں ہے کہ علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ قرآن کریم کی تلاوت سن کر بے ہو جاتے ہیں اور گرپڑتے ہیں، ان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں تو اس کے جواب میں ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ أَنْ يَقْعُدَ أَحَدُهُمْ عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ بَاسِطًا رِجْلَيْهِ ثُمَّ يُقْرَأُ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ] مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ، فَإِنْ رَمَى بِنَفْسِهِ فَهُوَ صَادِقٌ (تفسیربغوی ج۷ ص ۱۱۲)

ہمارے اور ان کے درمیان فرق اسی طرح معلوم ہو جائے گا کہ ان میں سے کوئی شخص گھر کی چھت سے اپنی ٹانگیں دراز کر کے بیٹھے، پھر اس کے سامنے شروع سے اخیر تک قرآن کی تلاوت کی جائے، ،اس کے بعد اگر وہ خود بخود اپنے کو پھینک دے تو وہ اپنے قول وعمل میں سچا ہے۔

فضائل القرآن میں علامہ ابو عبید قاسم بن سلام نے بھی اسی مفہوم کی روایت نقل کی ہے، اس میں ہے کہ

مِيعَادُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ أَنْ نَجْلِسَ عَلَى حَائِطٍ ثُمَّ يُقْرَأُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ فَإِنْ وَقَعَ فَهُوَ كَمَا قَالَ(فضائل القرآن لقاسم بن سلام)

ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان ایک بات طے ہو جائے کہ ہم ایک دیوار پر بیٹھتے ہیں پھر اس شخص پر قرآن کو شروع سے اخیر تک پڑھا جائے، اگر اس کے بعد یہ گر پڑے تو پھر جیسے وہ کہتا ہے ایسا ہی ہے۔

علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب جعل سازی ہے، اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، یہ دوسروں کو بے وقوف بنانے کے لیے اس طرح کی مضحکہ خیز حرکات کرتے ہیں اور لوگوں کو فتنے میں ڈال دیتے ہیں، ان کو اگر چھت کے اوپر بٹھا کر قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو پھر پتا چلے کہ ان کو قرآن کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق ہے، جو قرآن سنتے ہی اپنے کو چھت سے نیچے پھینک دیتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی قرآن کریم کے ساتھ بہت ہی شغف رکھتے تھے، وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے کرتے رو پڑتے تھے، اس قدر روتے تھے کہ اپنے آنسو پر قابو نہیں پا سکتے تھے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیمار ہوئے اور ان کی بیماری نے شدت اختیار کی تو ارشاد فرمایا کہ ابو بکر سے کہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو انہوں نے خدمت نبوی میں عرض کی کہ

يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ لَا يَمْلِكُ دَمْعَهُ، وَإِنَّهُ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ بَكَى

یارسول اللہ! بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ نرم دل والے آدمی ہیں، وہ اپنے آنسوؤں پر کنٹرول نہیں کر سکتے، جب وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل)

بخاری شریف میں یوں الفاظ ہیں

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ، إِذَا قَرَأَ غَلَبَهُ البُكَاءُ (بخاری،باب اہل العلم والفضل)

بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ نرم دل آدمی ہیں، جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ان پر رونے کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ بیٹی ہیں اور بیٹی کے سامنے اپنے والد کے تمام احوال ہوتے ہی ہیں اس لیے انہوں نے اپنے والد گرامی کی عمومی حالت بیان کی ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران رونے لگتے ہیں۔

علامہ ابو یحیٰ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ کی ایک روایت لائے ہیں، حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

قَدِمَ نَاسٌ مِّن أَهلِ اليَمَن عَلى أَبِي بَكر الصِّدِّيق رضي الله عنه فَجَعَلُوا يَقرَؤُونَ القُرآنَ وَيَبكُونَ فَقَالَ أَبُو بَكر الصِّدِّيق رَضِيَ الله عَنهُ هٰكَذَا كُنَّا(التبيان)

یمن والوں میں سے کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انہوں نے قرآن پڑھنا اور رونا شروع کر دیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قرآن سے شغف

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا، میں مردوں کی اس آخری صف میں تھا جس کے بعد عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے، آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (٨٦)يوسف

(حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا) میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اپنے اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔

تو آپ رضی اللہ عنہ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ مجھے ان کی ہچکیوں کی آواز دور سے سنائی دی۔

(قیام اللیل محمد بن نصر مروزی ص ۱۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بھی روایت ہے کہ

غَلَبَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، الْبُكَاءُ فِي صَلاةِ الصُّبْحِ حَتَّى سَمِعْتُ نَحِيبَهُ مِنْ وَرَاءِ ثَلاثَةِ صُفُوفٍ(قيام الليل ص ۱۴۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نے ان کی ہچکی کی آواز تین صفوں کے پیچھے سنی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَمُرُّ بِالآيَةِ مِنْ وِرْدِهِ بِاللَّيْلِ فَيَبْكِي حَتَّى يَسْقُطَ وَيَبْقَى فِي الْبَيْتِ حَتَّى يُعَادَ لِلْمَرَضِ(قيام الليل ص ۱۴۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے رات کے ورد میں کبھی کبھی کوئی آیت پڑھتے تو اتنا روتے کہ گر جاتے اور آپ کو گھر میں اتنا ٹھہرنا پڑتا کہ لوگ عیادت کے لیے آتے تھے۔(قیام اللیل)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، وہ جس لمحے شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے اس وقت بھی قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھے، بلوائیوں نے سارے گھر کو محاصرے میں لے لیا تھا اس کے باوجود وہ بہت ہی اطمینان سے تلاوت قرآن میں مشغول رہے، وہ بہت زیادہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے اسی لیے تو ان کے پاس قرآن کریم کا جو نسخہ تھا وہ کثرت تلاوت کی وجہ سے کافی پرانا ہو چکا تھا۔

حضرت محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب قیام اللیل اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فضائل قرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھ لیا کرتے تھے۔(فضائل قرآن)

اور کیوں نہ ایسا ہوتا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی ان روایات کے راوی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کریم پڑھے اور اسے پڑھائے، انہی سے روایت ہے تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے، ایک روایت میں خیرکم کا جملہ ہے، دوسری روایت میں افضلکم کا جملہ ہے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پوری رات ایک رکعت میں گزار دیتے تھے، جس میں وہ پورا قرآن کریم پڑھ لیتے تھے۔(الاستیعاب ج ۲)

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہارے دل پاک ہو جائیں تو تم کو کبھی کلام اللہ سے سیری نہ ہو، میں نہیں چاہتا کہ میری عمر میں کوئی

دن ایسا گزرے جس میں مجھے قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئے۔(حیاۃ الصحابہ ج۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز میں سورۂ یوسف کی بہت زیادہ تلاوت کیا کرتے تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی کہنا پڑا کہ مجھے سورۃ یوسف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے سے زبانی یاد ہو گئی تھی۔(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء شاہ ولی اللہ ص۱۲۸)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کیوں نہ قرآن کے عاشق ہوتے کہ ان کے گھر میں قرآن کا نزول ہوتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کے ایک فرد تھے، اپنا اکثر وقت قرآنِ کریم کی تلاوت میں گزارتے تھے، قرآنی آیات میں غور وفکر کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ایک روایت میں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ علی علم کا دروازہ ہیں اور میں علم کا شہر ہوں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المرتضیٰ میں لکھتے ہیں، ابو عمر ابو طفیل کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت دیکھا جب لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے اور کہہ رہے تھے کتاب اللہ کے بارے میں جو چاہو پوچھ لو، بخدا قرآن کریم میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ یہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن کو (ہموار) راستے میں چلتے ہوئے نازل ہوئی ہے یا اس وقت جب آپ کسی پہاڑی پر تھے۔(ازالۃ الخفاء بحوالہ المرتضیٰ ص۳۳۳)

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مطالعۂ قرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وفات نبوی کے بعد قرآن شریف کے حفظ میں اتنا انہماک ہوا کہ کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے۔(الاستیعاب ج۲ ص۴۷۷، بحوالہ مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی)

حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں
لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْسَمْتُ، أَوْ حَلَفْتُ أَنْ لَا أَضَعَ رِدَائِي عَنْ ظَهْرِي حَتَّى أَجْمَعَ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ، فَمَا وَضَعْتُ رِدَائِي عَنْ ظَهْرِي حَتَّى جَمَعْتُ الْقُرْآنَ
جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو میں نے قسم کھائی کہ دو پٹھوں کے درمیان جو قرآن ہے جب تک میں اس سارے کو جمع نہیں کر لوں گا اُس وقت تک میں اپنی پیٹھ سے چادر نہیں اتاروں گا (یعنی آرام نہیں کروں گا) چنانچہ جب تک میں نے سارا قرآن جمع نہیں کر لیا (یعنی یاد نہیں کر لیا) اپنی پیٹھ سے چادر نہیں اتاری، بالکل آرام نہیں کیا۔
حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ قرآنی سمندر میں غوطہ زن تھے، اسی لیے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے
وَاللهِ مَا نَزَلَتْ آيَةٌ إِلَّا وَقَدْ عَلِمْتُ فِيمَا أُنْزِلَتْ، وَأَيْنَ أُنْزِلَتْ، إِنَّ رَبِّي وَهَبَ لِي قَلْبًا عَقُولًا، وَلِسَانًا سَؤُولًا (حلية الاولياء ج ١ ص ٦٧)
اللہ کی قسم! کوئی آیت ایسی نہیں اتری مگر میں اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کہاں نازل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے عقل والا دل عطا فرمایا ہے اور بہت زیادہ سوال کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔

زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت

حضرت عون بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ
صَلَّى بِنَا زُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ حَتَّى بَلَغَ {فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ} [المدثر: ٨] خَرَّ مَيِّتًا وَكُنْتُ فِيمَنْ حَمَلَهُ إِلَى دَارِهِ
ہمیں حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز پڑھائی، جب انہوں نے سورۃ المدثر کی یہ آیت پڑھی فاذا نقر فی الناقور تو وہ گر پڑے اس حال میں کہ وہ فوت ہو چکے تھے، میں انہیں ان کے گھر کی طرف اٹھا کر لے گیا۔ (حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ج ا ص ۲۵۸)
حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ ہمیں بنی قشیر کی مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے کہ فاذ نقر فی الناقور والی آیت کی تلاوت کے دوران اس طرح

گرے کہ ان کی روح پرواز کر چکی تھی، انہیں اٹھا کر ان کے گھر تک لے جایا گیا۔
بہز بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
فَكُنْتُ فِيمَنِ احْتَمَلَهُ حَتَّى أَتَيْنَا بِهِ دَارَهُ(قیام اللیل)
میں ان لوگوں میں شامل تھا جو ان کے جسد خاکی کو اٹھا کر ان کے گھر تک لائے تھے۔

انصاری نوجوان نے فرشتوں کو رلا دیا

حضرت سعد بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری نوجوان نے رات کو نماز پڑھی، اس کے بعد وہ بیٹھ گیا، اس نے اپنی ٹانگیں موڑ لیں، اور کہنے لگا میری اللہ کے نام کے ساتھ ہی دوزخ کی آگ سے فریاد ہے، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، اس کو دیکھتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
لَقَدْ أَبْكَيْتَ مَلأً مِنَ الْمَلائِكَةِ عَظِيمًا اللَّيْلَةَ بِقَوْلِكَ: وَاغَوْثِي بِاللَّهِ الْعَظِيمِ مِنَ النَّارِ (قیام اللیل)
آج کی رات تیری واغوثی باللہ العظیم من النار کی فریاد نے فرشتوں کی ایک جماعت کو بھی رلا دیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
يَا فَتَى فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ بَكَتِ الْمَلائِكَةُ مِنْ بُكَائِكَ(قیام اللیل)
اے نوجوان! قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تیرے رونے سے فرشتے بھی رو پڑے۔ ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
يَا شَابُّ لَقَدْ أَبْكَيْتَ الْبَارِحَةَ أَعْيُنَ مَلإٍ مِنَ الْمَلائِكَةِ كَثِيرٍ(قیام اللیل)
اے جوان! آج کی رات تو نے بہت سے فرشتوں کے جتھے کو رلا دیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رات کو نماز پڑھا کرتے تھے، اگر کسی ایسی آیت کی تلاوت کرتے جس میں جنت کا ذکر ہوتا تو اللہ سے جنت کا سوال کرتے اور دعا کرتے تھے اور بہت دفعہ رو پڑتے تھے، اگر کسی ایسی آیت کی تلاوت کرتے

جس میں دوزخ کا ذکر ہوتا تو اللہ سے دوزخ کی پناہ مانگتے تھے، اور دعا مانگتے تھے، بہت دفعہ روپڑتے تھے، اور جب آیت

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ [الحديد: ١٦]،

کی تلاوت کرتے تو روپڑتے تھے، اور زبان سے فرماتے تھے ہاں اے میرے رب! ہاں اے میرے رب! (قیام اللیل مؤلفہ محمد بن نصر مروزی)

حضرت محارب بن دثار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے، وہ نماز میں اچانک رونے لگے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہوئے انہیں پتا چل گیا کہ میں نے انہیں روتے ہوئے دیکھ لیا ہے، فرمانے لگے

إِنَّ هَذِهِ الشَّمْسَ لَتَبْكِي مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ، ابْكُوا فَإِنَّ لَمْ تَبْكُوا فَتَبَاكَوْا (قيام الليل)

یہ سورج اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے، اس لیے تم بھی روؤ اگر رو نہیں سکتے تو رونے جیسی شکل ہی بنالو۔

حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم کے پیچھے نماز ادا فرما رہے تھے، چاند غروب ہونے کے قریب ہو چکا تھا، ان کے پاس سے عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ گزرے اور ٹھہر گئے، انہیں فرمانے لگے، اے میرے بھائی! کیا تو میرے رونے کی وجہ سے تعجب کرتا ہے، اللہ کی قسم! یہ چاند اللہ کے خوف سے روتا ہے، اللہ کی قسم! اگر تمہیں پتا چل جائے جس طرح پتا چلنا چاہیے تو وہ اس طرح روئے کہ اس کی آواز کٹ جائے، وہ اس طرح سجدہ ریز ہو جائے کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی ہو، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ المطففین کی تلاوت کی، جب وہ آیت

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ} [المطففين: ٦]

جس دن لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے۔

پر پہنچے تو اس طرح روئے کہ ان کی ہچکی بندھ گئی تھی، اس کے بعد والی قرأت نہیں کر سکے تھے۔ (قیام اللیل)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

وَلأَنْ أَدْمَعَ دَمْعَةً مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِأَلْفِ دِينَارٍ

اگر میرا ایک آنسو اللہ کے خوف سے نکل جائے تو وہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک ہزار دینار خرچ کروں۔ (قیام اللیل)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قرآن سے محبت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی قرآن کریم سے بہت شغف رکھتی تھیں، عورتوں میں وہ بڑے درجے کی عالمہ اور قرآن کریم کو سمجھنے والی تھیں، ان کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے نماز میں قرآن کریم کی آیت

فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ} [الطور: ٢٧]

(پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچایا)

پڑھی تو رونے لگیں، پھر اللہ سے یہ دعا کرنے لگیں

اللَّهُمَّ مُنَّ عَلَيَّ وَقِنِي عَذَابَ السَّمُومِ إِنَّكَ أَنْتَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ

اے اللہ! مجھ پر احسان کیا گیا، مجھے لو کے عذاب سے بچا لیجیے، بے شک تو تو ہی ہے احسان کرنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا۔

حضرت اسماء بنت صدیق کی قرآن سے محبت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بھی قرآن کریم کے ساتھ خصوصی محبت تھی، وہ قرآنی آیات کی تلاوت کرتیں اور انہیں بار بار دہراتی تھیں، ان کے خادم حمزہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماء نے ایک دن بازار بھیجا، اس وقت وہ سورۃ طور کی تلاوت کر رہی تھیں، وہ آیت وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ} [الطور: ٢٧]

تک پہنچی تھیں، میں بازار گیا بھی اور واپس بھی آگیا اور وہ ابھی تک یہی آیت پڑھ رہی تھیں۔

یہ مختصر اور پر اثر واقعات دیکھنے اور پڑھنے کے بعد ایک مسلمان کی دلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کی زندگی بھی اس طرح گزرے کہ وہ صبح و شام قرآن کریم کی تلاوت میں گزارے ، ان واقعات سے ایمان کو تازگی اور جلا ملتی ہے، ان سے کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، ان واقعات سے قرون اولی کے ان خوش نصیب مسلمانوں کے ساتھ عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

(نوٹ) بندہ ناچیز کی زیر ادارت ماہ نامہ آب حیات لاہور کئی سالوں سے زیور طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے، جس میں مختلف موضوعات پر تحریریں شائع کی جاتی ہیں، قرآن کریم سے متعلق جون ۲۰۱۵ اور جولائی ۲۰۱۵ء کی دو اشاعتوں میں یہ مضمون پیش کیا گیا تھا، جسے افادہ عام کی غرض سے اعلیحدہ کتابی شکل میں بھی پیش کیا گیا، اب اسے پی ڈی ایف فارمیٹ میں نیٹ پر کتابیں پڑھنے والوں کے لیے تیار کیا گیا ہے، تاکہ نیٹ پر بھی اسے پڑھا جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اللہ تعالیٰ قبول و منظور فرمائے۔

محمود الرشید حدوٹی